

آشیانه

05-19-2017



فہرست

سائنس / ٹیکنالوجی

۱. پولیٹھین بیگز ، ایک خاموش قاتل.....
۴. جنگلات کی معاشی ، ماحولیاتی اہمیت!.....
۶. شوگر مافیا کا عروج اور کپاس کا زوال.....
۷. فیس بک اور وہاٹس ایپ کا استعمال کتنا مفید، کتنا مضر؟.....

مشہور شخصیات

۹. اردو ادب کا ایک نام۔ ابن انشاء.....
۱۰. اقبال اور فلسفہ خودی.....

معاشرہ اور ثقافت

۱۲. چینی کے بغیر چینی چائے کا لطف.....
-

پولیتھین بگزر ، ایک خاموش قاتل

مصنف: حاجی بصیر سراج

کے شاپر بگیوں نے پاکستان میں ماحول کو آلودہ کیا ہوا ہے، گٹر بند ہو رہے ہیں، نالیاں شاہ بیک اور چپس کے بگیوں سے اٹی پڑی ہیں۔ کوڑے کیساتھ انہیں جلانے سے بیماریاں پھیل رہی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں درجن بھر فیکٹریاں ہیں جو کہ پلاسٹک بگزر بناتی ہیں جو کہ کروڑوں بیک روزانہ کی بنیاد پر بنا کر بیچ رہی ہیں۔



پلاسٹک ایک پولیمر ہے جو کہ ایک یا مختلف کیمیائی اجزاء سے مل کر تیار کیا جاتا ہے۔ پلاسٹک کی عموماً دو اقسام استعمال کی جاتی ہیں، جن میں سے ایک قدرتی ہے، جو درختوں اور جانوروں سے حاصل کیا جاتا ہے، جبکہ پلاسٹک کی دوسری قسم لیبارٹری یا فیکٹری میں تیار کی جاتی ہے۔ قدرتی پولیمر کی پہلی قسم کے دائرے میں نشاستہ یا اسٹارچ اور سیلولوس، جبکہ دوسری قسم میں پروٹین شامل ہے، جس میں لکڑی، ریشم، چمڑا وغیرہ آتے ہیں۔ قدرتی پولیمر کی تیسری وہ قسم ہے جس میں ڈی این اے اور آر این اے آتے ہیں، جو ہمارے نشوونما کے ضامن ہیں مصنوعی پولیمر دراصل لیبارٹریز میں تیار کیا جانے والا پلاسٹک ہے۔ اس کی عام اقسام میں پولی تھین، پولی اسٹیرین، سینتھٹک ربڑ، نائیلون، پی وی سی، بیکولائٹ، میلانٹ، ٹیٹلون اور آرلون وغیرہ شامل ہیں۔ پولی تھین دراصل ایک سیال مادہ ہے جسے آبائی کسی بھی شکل و صورت میں ڈھالا جاسکتا ہے اور کسی بھی رنگ میں رنگا جاسکتا ہے، جبکہ اسے نرمی اور ملائمت کی کسی بھی حد تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ اسی خصوصیت نے اسے انتہائی سستے پولی تھین لفافوں، بیک اور دیگر کارآمد اشیاء کی تیاری میں مقبول عام بنایا ہے۔ پولی تھین یا پلاسٹک کا استعمال اب ہماری روزمرہ زندگی کا ایک لازمی جزو بن چکا ہے اور یہ استعمال دن بہ دن بڑھتا جا رہا ہے۔ یوں تو پولی تھین کا استعمال ناگزیر بن چکا ہے، لیکن اسے استعمال کرنے کے بعد یونہی چھینک دینے کا سوال کہیں زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ ہمارے خطے میں لوگ تو پولی تھین سے بنے لفافے اور تھیلے استعمال کرنے کے عادی ہو چکے ہیں، لیکن اس کے باوجود ہمارے یہاں ان اشیاء کو استعمال کرنے کے بعد صحیح ڈھنگ سے ضائع کرنے کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ ان

لفافوں اور تھیلوں کو بلا تردد گلی کوچوں، سڑکوں، نالیوں، دریاؤں اور باغیچوں، حتیٰ کہ اپنے گھروں کے صحن میں بھی بغیر سوچے سمجھے پھینک دیا جاتا ہے اور یہی لاپرواہی ہمارے ماحول کی آلودگی کا سب سے بڑا سبب بن چکی ہے۔ عام استعمال میں آنے والا پولی تھین اگرچہ ہمارا سستا دوست ہے لیکن ہماری ناسمجھی اور غفلت کی وجہ سے یہی سستا دوست ہمارا سب سے بڑا دشمن بنتا جا رہا ہے۔ ماحول کو متوازی رکھنے کے بارے میں ہماری بے حسی اور لاعلمی کے باعث پولی تھین کی استعمال شدہ اشیاء گلیوں، نالیوں، دریاؤں اور جھیلوں میں اپنا مسکن بنالیتی ہیں، جو پانی کی نکاسی کے نظام کو درہم برہم کرنے اور خطرناک صورتحال پیدا کرنے کا ذمہ دار بنتا ہے۔ ملک کے مختلف شہری علاقوں میں پولی تھین سے نالیوں اور سیوریج کا بند ہونا ایک وبا بن چکی ہے۔ گندے پانی کے نکاس بند ہونے کے نتیجے میں تمام قریبی علاقوں میں بدبو، گندگی اور مختلف بیماریوں کو دعوت ملتی ہے۔ اس کے علاوہ برسات کے موسم کی ذرا سی بارش بھی ایک سیلاب کا رخ اختیار کر لیتی ہے۔ دوسری جانب ہمارے آبی ذخائر پولی تھین لفافوں کی آماجگاہ بن رہے ہیں جن سے آبی حیات کا بری طرح متاثر ہونا لازمی بات ہے۔ پاکستان کی متعدد جھیلوں اور دریاؤں میں پولی تھین سے بنائی گئی بے شمار اشیاء کو تیرتے، بہتے اور جمع ہوتے دیکھا جاسکتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ پاکستان کے پرفضاء پہاڑی علاقوں میں بھی پولی تھین اپنے برے اثرات پھیلا چکا ہے اور وہاں کی صاف ستھری آب و ہوا اور ماحول کو بھی متاثر کرنے میں مصروف عمل ہے۔ پولی تھین کا استعمال ہماری بے احتیاطی کی وجہ سے جتنا عام ہوگا، اتنا ہی ہمارا ماحول بھی اس کے مضر اثرات سے متاثر ہوتا چلا جائے گا۔

پولی تھین چونکہ ایک نہ سڑنے والی شے ہے، اس لئے یہ زمین کی ساخت اور زرخیزی کو بری طرح تھس نہیں کر دیتی ہے۔ آسان الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ پولی تھین زمین کی سانس کو بند کر کے اس کو خنجر کر دیتا ہے اور نباتات کو زمین سے جو غذا اور دوسرے اجزاء ملنے چاہئیں ان کی ترسیل میں رکاوٹ ثابت ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں نباتات کی افزائش رک جاتی ہے اور زمین کی پیداواری صلاحیت بھی کمزور پڑ جاتی ہے۔ اگر بغور مشاہدہ کیا جائے تو بارش کا پانی پولی تھین کی وجہ سے زمین کے اندر جذب نہیں ہوتا۔ اسی لئے ہمارے جنگلات بھی بری طرح سے متاثر ہوتے ہیں اور اکثر علاقوں کے جنگلات اور زرعی زمینیں پولی تھین کی وجہ سے اپنی ساخت اور صلاحیت کھو دیتی ہے، اور ہماری پیداوار کھتی چلی جاتی ہے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ سڑکوں، گلی کوچوں، نالیوں اور کھلی جگہوں پر پھینکے گئے پولی تھین بگزر ہمارے موبٹی بھی کھالیتے ہیں جو ان کیلئے جان لیوا بھی ثابت ہوتا ہے۔ حال ہی میں ایک وٹرنری ہسپتال میں جب ایک بیمار گائے کا آپریشن کیا گیا تو اس کے پیٹ سے کئی کلو وزنی پولی تھین کے بگزر نکلے۔ اس کے علاوہ ایک تحقیقاتی

پاکستان میں پلاسٹک کے بنے ہوئے شاپنگ بگزر جنہیں پولی تھین بگ کہا جاتا ہے۔ پولی تھین بگ آنے سے قبل جب لوگ گھر کا سودا یا سامان لینے کے لئے بازار جاتے تھے تو اپنے ساتھ کپڑے کا تھیلہ یا کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی ٹوکری لے کر گھر سے نکلے تھے۔ کپڑے کے تھیلے مارکیٹ میں سلعے سلائے بھی ملتے تھے اور خواتین گھروں میں خود بھی سی لیتی تھیں۔ مگر آج آپ بازار کو رخ کریں تو آپ یہ دیکھ کر حیران نہیں ہو گئے کہ ہر سودا سلف خریدنے والا ہاتھ پولی تھین بگ تھامے ہوئے دکھائی دے گا، ایک پاؤ کیلوں سے لے کر کپڑوں تک ہر چیز آپ کو پولی تھین بگزر میں ملے گی۔ چونکہ پلاسٹک جدید کیمیائی صنعت میں بہت ہی سستی اور عام شے ہے جو ہماری زندگی میں کثرت سے استعمال ہوتی ہے۔ پلاسٹک کو آج ہمارے یہاں اس قدر اہمیت حاصل ہو چکی ہے کہ اس کے بغیر اب روزمرہ زندگی ادھوری لگتی ہے۔ ہم روزانہ پلاسٹک سے بنائی گئی کوئی نہ کوئی چیز ضرور استعمال کرتے ہیں، جبکہ پلاسٹک کا سب سے زیادہ استعمال ہم پولی تھین لفافوں یا بگزر کی صورت میں کرتے ہیں۔ یہ بیک یا لفافے وزن میں انتہائی ہلکے اور سستے ہوتے ہیں اور ہم انہیں کسی بھی طرح سے استعمال کر سکتے ہیں۔ ان ہی فائدوں کو دیکھ کر ہم ان کا بکثرت استعمال کرتے ہیں، لیکن اس کے مضر اثرات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ان پلاسٹک بگزر کو استعمال کے بعد پھینک دیا جاتا ہے، لیکن یہ اپنی کیمیائی خصوصیات کے باعث مٹی، پانی یا ہوا میں گئے سڑنے کے بجائے ہمارے ماحول کیلئے مضر اور ضرر رساں بن جاتے ہیں۔ پاکستان میں ایک اندازے کے مطابق روزانہ 15 سے 29 کروڑ پلاسٹک بگزر کا استعمال کیا جاتا ہے۔ 2004 میں کئے گئے سروے میں اندازہ لگایا گیا تھا کہ 2015 میں پاکستان میں پلاسٹک بگزر کا سالانہ استعمال 122 بلین تک پہنچ جائے گا۔ اگر اس تعداد کو روزانہ کی بنیاد پر تقسیم کیا جائے تو تقریباً پاکستان کی آبادی پر ایک پلاسٹک بیک فی کس روزانہ آتا ہے۔ 1965 میں سویڈن کی ایک کمپنی نے پولی تھین بگزر کو متعارف کرایا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ دنیا میں عام ہو گیا اور پاکستان میں پلاسٹک کے شاپر بگزر 80 کی دہائی میں شروع ہوئے اور پھر پورے پاکستان میں مشہور ہو گئے۔ اب تو دودھ اور دہی تک پولی تھین کے لفافوں میں بیچا جاتا ہے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی نے کھجور کی ٹوکریوں کو ختم کر دیا اور پولی تھین کی آمد نے کاغذی لفافوں کی مارکیٹ ختم کر دی۔ اب پولی تھین

نیم نے ایک مردہ گائے کا آپریشن کر کے اس کے پیٹ سے 40 کلو گرام پلاسٹک بیگز نکالے۔ اس طرح نہ جانے کتنے ہی مویشی پلاسٹک اور پولی تھین کھا کر زندگی کی بازی ہار چکے ہوں گے۔ دوسری جانب پولی تھین بیگز میں استعمال کئے جانے والے رنگ بھی مضر صحت ہوتے ہیں، جن کے برے اثرات ہماری صحت کو متاثر کر سکتے ہیں۔ اگر ان لفافوں اور بیگز کو جلا یا جائے تو ان کا دھواں ہوا کو زہر آلودہ کر دیتا ہے۔ یہ دھواں ہماری آنکھوں، جلد اور نظام تنفس پر بری طرح سے اثر انداز ہوتا ہے اور یہی دھواں سردرد کا موجب بھی بنتا ہے جو کہ جان لیوا بھی ثابت ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ پلاسٹک اور پولی تھین اپنے ضرر رساں، مضر صحت اور انتہائی نقصان دہ اثرات سے انسانی زندگی، حیوانات و نباتات، چرند پرند اور ہمارے پورے ماحول کو ناقابل تلافی نقصان سے دوچار کرتا ہے۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں تو پلاسٹک کے تھیلوں کے استعمال پر پابندی لگائی جا چکی ہے اور کئی ممالک پابندی لگانے پر غور کر رہے ہیں۔ پلاسٹک کے تھیلے یا پولی تھین بیگ کو عالمی سطح پر ناقابل استعمال قرار دیا جا چکا ہے۔ کیونکہ ان کی وجہ سے ہم کئی بیماریوں اور مسائل کا شکار ہو رہے ہیں لیکن اسکا متبادل ذریعہ دریافت نہ کرنے کی وجہ سے اب یہ ہمارے معاشرے کا لازمی جز بن چکا ہے۔ چین میں پلاسٹک بیگز کے لیے الگ سے پیسے دینے پڑتے ہیں جس کی وجہ سے پلاسٹک بیگز کے استعمال میں نمایاں کمی آئی ہے۔ سائنسدانوں کے مطابق یہ تھیلیاں گلنے کے لئے اگر مٹی میں دی ہو تو کم از کم ایک ہزار سال اور اگر پانی میں پڑے رہے تو تقریباً 4500 سال کا عرصہ درکار ہوگا۔ اپنی ان منفی خصوصیات کی وجہ سے پولی تھین بیگز پوری دنیا کے ماحول کی لئے سنگین خطرہ ثابت ہو رہے ہیں۔ وزن میں ہلکا ہونے کے باعث یہ بیگز ہوا کے ساتھ اڑتے رہتے ہیں اور نالیوں اور سیوریج سسٹم تک پہنچ کر اسے بند کر دیتے ہیں۔ ان بیگز سے ماحول کے نقصان کو بچانے کے لئے سمجھدار قوموں نے شاپنگ بیگز کے استعمال پر پابندی عائد کر دی ہے اور کئی ملکوں میں دکان داروں کو پابند کیا گیا ہے اس کا متبادل تلاش کر لیں۔ بنگلہ دیش میں 1988 اور 1998 میں آنے والا تباہ کن سیلاب کا ایک اہم سبب ان بیگز کو قرار دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ملک کا ڈریج سسٹم فیل ہو گیا اور سیلابی کیفیت پیدا ہو گئی۔

ماحول کو صاف ستھرا رکھنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ ماحول کی آلودگی کے برے اور تباہ کن اثرات سے عوام کو باخبر نہ کیا جائے۔ اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ اشیائے ضرورت لانے لیجانے کیلئے کپڑے، پٹ سن اور کاغذ کے تھیلوں اور لفافوں کے استعمال کو عام کیا جائے۔ ایسی اشیاء کی تیاری اور انہیں عوام میں مقبول بنانے کیلئے ہر سطح پر حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ حکومتی سطح پر پلاسٹک اور پولی تھین کے استعمال کے خلاف قوانین بنانے اور ان پر سختی سے عملدرآمد

کی بھی اشد ضرورت ہے۔ اس موذی اور ضرر رساں شے کے خلاف جہاں حکومت کو اپنے فرائض نبھانا ہوں گے، وہیں عوامی سطح پر بھی رضاکار تنظیموں کو بھی چاہئے کہ اپنے ارد گرد سے اس نقصان دہ عادت کو ختم کرانے میں اپنا بھرپور تعاون شامل کریں۔ پاکستان بھر میں قائم تقریباً 8 ہزار یونٹس میں سالانہ 55 ارب پولی تھین بیگ تیار کرتے ہیں۔ پنجاب حکومت پولی تھین کے شاپر بیگ بنانے والوں کے خلاف کریک ڈاؤن جاری رکھے ہوئے ہے۔ ہماری حکومت اور ضلعی انتظامیہ اس بات سے بخوبی آگاہ ہے کہ پلاسٹک کے شاپنگ بیگز ہی ہمارے سیوریج سسٹم کی ناکامی کے ذمہ دار ہیں۔ جس کی روک تھام کیلئے پنجاب حکومت صوبے بھر میں بلا امتیاز کارروائیاں کر رہی ہے محکمہ تحفظ ماحول پنجاب نے صوبے بھر میں عوام کو پولی تھین بیگز کے استعمال سے پیدا ہونے والے اثرات سے بچاؤ کے لیے جاری آپریشن کے دوران 1674 ایسے مقامات کے دورے کیے جہاں غیر قانونی پلاسٹک بیگز تیار ہو رہے تھے۔ خلاف ورزی کے مرتکب 317 یونٹس میں سے 257 یونٹس کے خلاف چالان کر کے مقدمات ماحولیاتی ٹریبونل کو برائے کارروائی بھیج دیئے گئے ہیں۔ وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف کی خصوصی ہدایت پر پنجاب کو آلودگی سے پاک صوبہ بنانے کیلئے تمام اضلاع میں بلا امتیاز کارروائیاں جاری ہیں۔ حکومت پنجاب پولی تھین بیگز آرڈیننس 2002 کے تحت پہلے ہی ایسے پلاسٹک بیگز کی تیاری پر مکمل پابندی عائد کر چکی ہے۔ محکمہ ماحول کی خصوصی ٹیوں نے پنجاب کے مختلف اضلاع میں باقاعدگی سے مہم جاری رکھی ہوئی ہے جس کے دورس نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔

پلاسٹک بیگز کی تیاری کو روکنے کے لیے ضروری ہے کہ پلاسٹک بیگ کی کمپنیوں پر پابندی عائد کر کے جو کہ پنجاب حکومت کر بھی رہی ہے اس سے جڑے لوگوں کے لئے متبادل ذریعہ معاش کا انتظام کیا جائے۔ دوکانوں کے لئے ضرورت کے مطابق حکومتی سرپرستی میں کپڑے کے تھیلے بنائے جائیں جبکہ سبزی فروٹ وغیرہ کی خریداری کے لئے نوکریوں کا استعمال عمل میں لایا جائے۔ پلاسٹک کے کم استعمال سے ماحول کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ ماحولیاتی آلودگی، اسباب اور حل کے لیے عوامی سطح پر شعور و آگاہی کا انتظام کیا جائے۔ اس کے علاوہ ہر پلاسٹک بیگ کے استعمال پر ٹیکس لگایا جائے تاکہ پلاسٹک بیگز کے استعمال میں کمی لائی جاسکے۔



صوبائی وزیر تحفظ ماحول بیگم ذکیہ شاہنواز کا کہنا ہے کہ ہماری روزمرہ زندگی میں پلاسٹک بیگ اگرچہ سہولت پیدا کر رہے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بیگز انسانی صحت اور ماحول کے لئے انتہائی مضر ہیں۔ کھانے پینے کی اشیاء میں پلاسٹک بیگز کا بڑھتا ہوا استعمال کینسر سمیت دیگر موذی امراض کا باعث بن رہا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر حکومت پنجاب ماحول کو آلودگی سے پاک رکھنے اور اپنی آئندہ نسلوں کو محفوظ ماحول فراہم کرنے کے لئے پولی تھین بیگز کی مینوفیکچرنگ کی روک تھام کے لئے سفیدہ اقدامات اٹھا رہی ہے۔ پنجاب کے تمام اضلاع میں روزانہ کی بنیاد پر تمام فیلڈ دفاتر میں پولی تھین بیگ بنانے والوں کے خلاف سخت کارروائی عمل میں لائی جا رہی ہے۔ جو آرڈیننس کی خلاف ورزی کے مرتکب پائے گئے، ان کے خلاف عدالتی کارروائی کی جا رہی ہے۔ ماحول کو آلودگی سے پاک رکھنے کے لئے سوشل میڈیا کے ذریعے بھی پولی تھین بیگز کے نقصانات اور ان کی تلافی سے متعلق احتیاطی تدابیر کی ترسیل کے ذریعے اہم کردار ادا کیا جا رہا ہے۔ اس مسئلہ سے نمٹنے کے لئے ہمیں پلاسٹک بیگ کی بجائے کپڑے کے بیگ کے استعمال کے رجحان کو فروغ دینا ہے تاکہ ہم اپنے بچوں کو متوقع بیماریوں سے محفوظ رکھ سکیں۔ اس ضمن میں این جی اوز کا کردار بھی قابل ذکر ہے۔

پرنسپل انوار مینٹل سائنسز ڈیپارٹمنٹ ڈاکٹر سعید احمد قیصرانی کا کہنا ہے کہ پولی تھین بیگ یا لفافے وزن میں انتہائی ہلکے اور سستے ہوتے ہیں اور ہم انہیں کسی بھی طرح سے استعمال کر سکتے ہیں۔ ان ہی فائدوں کو دیکھ کر ہم ان کا بکثرت استعمال کرتے ہیں، لیکن اس کے مضر اثرات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ان پلاسٹک بیگز کو استعمال کے بعد پیچیدہ دیا جاتا ہے، لیکن یہ اپنی کیسادی خصوصیات کے باعث مٹی، پانی یا ہوا میں گلنے سڑنے کے بجائے ہمارے ماحول کے لئے مضر اور ضرر رساں بن جاتے ہیں۔ ادارہ صحت مند ماحول کی اہمیت کو اجاگر کرنے اور آلودگی میں کمی کے لئے تعلیم و تحقیق کے ذریعے اپنا بھرپور کردار ادا کر رہا ہے۔ ہمارا ماحول عدم توبہی کے باعث انتہائی آلودہ ہو چکا ہے، جبکہ بے ہنگم ترقی اور اس کے ان دیکھے مضمرات بھی ہمارے ماحول کی آلودگی میں برابر کے ذمہ دار ہیں۔ کیسادی اشیاء کا لاپرواہی سے استعمال اور اس کے نتیجے میں غلاطیات کا پھیلنا، ہمارے ماحول کو آلودہ کرنے کا بڑا سبب ہے۔ ہماری لاپرواہی کے نتیجے میں پانی، ہوا، زمین اور اس پر بسنے والے چرند و پرند حیوانات اور انسان، یہاں تک کہ ہمارے درخت اور پودے بھی آلودگی کا شکار ہو چکے ہیں۔ ہماری روزمرہ زندگی میں جتنی بھی غلاطیات اور گندگی دیکھنے میں آتی ہے اسے مضر صحت نہ بننے دینا ہی آج ہمارا سب سے اہم چیلنج ہے۔ جب تک ہم اپنے ارد گرد کے ماحول کو صحیح طور سے نہیں سمجھ پائیں گے، اسے آلودگیوں اور کثافتوں سے پاک و صاف نہیں رکھ پائیں گے۔ ہم

جاتا اور لوگوں کو ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ کپڑے اور کاغذ کے بیگز استعمال کریں اور ماحول کو صاف بنائیں۔

§§§

پندرہ مائیکرون سے کم وزن پلاسٹک بیگز تیار کئے جارہے تھے۔ یز حکومت کی طرف سے کالے رنگ کے شاپر بیگز اور ایسے پولی تھین بیگز جنکی موٹائی 15 مائیکرون سے کم ہے انکی تیاری، فروخت، استعمال اور درآمد ممنوع قرار دی ہے کالے شاپر بیگز میں مضر صحت رنگ دیگر پولی تھین شاپر بیگز کی نسبت 2 سے 3 گنا زیادہ ہوتا ہے ان میں کھانے پینے کی گرم اشیاء کا استعمال صحت کیلئے انتہائی خطرناک ہے 15 مائیکرون سے کم موٹائی کے پولی تھین بیگز پر پابندی کی وجہ ضائع شدہ پولی تھین بیگز کی ری سائیکلنگ کو فروغ دینا ہے کیونکہ 15 مائیکرون سے کم موٹائی کے ضائع شدہ پولی تھین بیگز میں ان کے اپنے وزن سے زیادہ گردوغبار ہوتا ہے اور اس طرح نہ صرف اسکی ری سائیکلنگ مہنگی ہے بلکہ مشکل ہے اور ری سائیکلنگ سے وابستہ کمپنیاں اور افراد اسے نہیں خریدتے جسکی وجہ سے یہ گلیاں، بازاروں اور سالڈویٹ میں جمع ہو کر آلودگی کا باعث بنتے ہیں پولی تھین ویٹ نے آلودگی کے ساتھ ساتھ شہروں کا جمالیاتی حسن بھی تباہ کرکھا ہے بلکہ سیوریج سسٹم کی تباہی اور اوورفلو کا باعث بھی ہیں کھلے عام پڑے پولی تھین بیگز بارش وغیرہ کا پانی سٹور کر کے ڈینگ کی مچھر کی افزائش کا باعث بھی بنتے ہیں نیز یہ فصلوں کی جڑوں کو نقصان پہنچاتے ہیں جن کی وجہ سے پیداوار میں کمی ہوتی ہے کئی ممالک میں ان کے استعمال پر پابندی عائد ہے مختلف ممالک میں ان کی وجہ سے سیوریج سسٹم کے مسائل انتہائی شدت اختیار کر گئے تھے جس کی وجہ سے وہاں پر ان کے استعمال پر پابندی عائد کی گئی وہاں عوام پٹ سن کے تحیلے استعمال کرتے ہیں۔ آلودگی سے پاک ماحول کی فراہمی کیلئے ضروری ہے کہ پولی تھین بیگز کے استعمال کے رجحان کی حوصلہ شکنی کی جائے، خصوصاً کالے پولی تھین بیگز کا استعمال تو فوری طور پر ترک کیا جائے۔ نیز ہم سب کی ذمہ داری ہے پلاسٹک کی بجائے کپڑے کے تحیلے استعمال کریں اگر اس پر کنٹرول نہ کیا گیا تو ماحول کو آلودہ ہونے اور فصلات کو تباہ ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ فصلات کے تباہ ہونے کا مطلب غذائی قلت کا سامنا یقینی ہے اسی طرح پولی تھین بیگز کی وجہ سے جہاں سیوریج سسٹم متاثر ہو رہا ہے وہیں ہمیں صاف پانی کی قلت بھی نظر آرہی ہے۔ اس کے حوالے سے محکمہ دو طرح سے اپنی خدمات سرانجام دے رہا ہے، اول، 2002 آرڈیننس کے مطابق جو فیکٹری 15 مائیکرون سے کم موٹائی کے پولی تھین بیگز تیار کرتی اس کے خلاف کریک ڈاؤن کیا جاتا ہے۔ ہمارے محکمے کی کارروائی کے نتیجہ میں اس وقت متعدد کیسز عدالت میں چل رہے ہیں اور قانون یہ ہے کہ کالے اور 15 مائیکرون سے کم موٹائی والے شاپنگ بیگز کی تیاری، فروخت، استعمال اور درآمد ممنوع اور قانوناً جرم ہے، اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو 50 ہزار روپے جرمانہ اور 3 ماہ قید یا دونوں سزائیں اکٹھی ہو سکتی ہیں اور دوسرا بینرز اور سوشل میڈیا کے ذریعے اس کے استعمال سے منع کیا

جس ماحول میں سانس لیتے ہیں، جب تک اسی ماحول کو ان تمام اشیاء اور آلاتوں سے پاک نہیں رکھیں گے جو کثافت پھیلانے کی ذمہ دار ہیں، تب تک ہمارا دم گھٹتا ہی جائے گا اور ہمارے لئے سانس لینا بھی دشوار بن جائے گا۔ آلودگی سے پاک ماحول کی فراہمی کے لئے ضروری ہے کہ پولی تھین بیگز کے استعمال کے رجحان کی حوصلہ شکنی کی جائے، خصوصاً کالے پولی تھین بیگز کا استعمال تو فوری طور پر ترک کیا جائے، جس سے نہ صرف سیوریج نظام بری طرح متاثر ہوتا ہے، بلکہ ہوا کے دوش پر اثری ہوئی تھیلیاں شہر کی خوبصورتی کو متاثر کرتی ہیں۔ ان پولی تھین بیگز کے استعمال کی بجائے کپڑے یا کاغذ کی تھیلیاں استعمال کرنے کا عوام میں شعور بیدار کیا جائے، اس سلسلے میں شہری اور غیر سرکاری تنظیمیں اپنی قومی ذمہ داری کے لئے کردار ادا کریں۔

جزل امراض ماہر ڈاکٹر جاوید اقبال کا کہنا ہے کہ پولی تھین بیگز مضر صحت ہونے کے باوجود اسکا استعمال عام ہے جو باعث تشویش ہے، اس کے برے اثرات ہماری صحت کو متاثر کر رہے ہیں۔ اگر پولی تھین بیگز کو جلایا جائے تو ان کا دھواں ہوا کو زہر آلودہ کر دیتا ہے۔ جس سے نہ صرف سانس کی بیماریاں پھیل رہی ہیں بلکہ اسکے دھوئیں سے لوگوں کو کینسر کا مرض بھی لاحق ہو رہا ہے جو ہماری آنکھوں، جلد اور نظام تنفس پر بری طرح سے اثر انداز ہوتا ہے اور یہی دھواں سردرد کا موجب بھی بنتا ہے جو کہ جان لیوا بھی ثابت ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ کھانے پینے کی اشیاء کی ترسیل کے لیے پلاسٹک بیگز کی حوصلہ شکنی کرنے کی ضرورت ہے نیز پولی تھین کا بے دریغ استعمال خواتین میں بڑھتے ہوئے بریسٹ کینسر کی اہم وجہ ہے اس لیے اس کے استعمال کو ترک کرنا ہی وقت کی اہم ضرورت ہے۔

محکمہ تحفظ ماحولیات کے ڈپٹی ڈائریکٹر انجم ریاض کا کہنا ہے کہ شہریوں میں اشیائے خوردونوش کو پولی تھین تھیلیوں میں بیک کرنے کا رجحان بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے جو انسانی و حیوانی حیات کیلئے زہر قاتل ہے، سڑکوں، گلیوں، نالیوں اور کھلی جگہوں پر پھینکے گئے پولی تھین بیگز سے ماحولاتی آلودگی میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے، یہ بیگز استعمال کے بعد بھینکنے کے باوجود اپنی کیمیائی خصوصیات اور اثر رکھنے کی وجہ سے مٹی، پانی یا ہوا میں گلنے سڑنے کی بجائے ہمارے ماحول کو بری طرح آلودہ کر رہے ہیں، شہر میں سیوریج نظام کی تباہی اور آئے دن نالیوں اور گٹر کے بند ہونے کا ایک بڑا سبب پولی تھین بیگ ہیں، یہ شاپنگ بیگ ہمارے ماحول پر خطرناک حد تک منفی اثرات مرتب کر رہے ہیں، حکومت کوشش کر رہی ہے کہ پولی تھین بیگز کے استعمال کی بجائے کپڑے یا کاغذ کی تھیلیاں استعمال کرنے کا شعور عوام میں بیدار کیا جائے، اس سلسلے میں محکمہ تحفظ ماحولیات اپنی ذمہ داری کیلئے اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ حال ہی میں ہمارے محکمہ نے بند روڈ کے علاقہ میں کارروائی کی جہاں بیگز فیکٹری میں

جنگلات کی معاشی ، ماحولیاتی

اہمیت !

مصنف: سفیان خان

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو عطا کردہ عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت جنگلات بھی ہیں۔ اللہ نے اپنے بندوں کے لئے بنائی عالیشان جنتوں میں باغات اور نباتات کا خصوصی ذکر ملتا ہے۔ لمبے اور گتے سائے والے درخت ، ان کے سائے اور ان سے پیدا ہونے پھولوں اور میوؤں کو اللہ نے جنت کی اعلیٰ ترین نعمتوں میں بیان کیا ہے ۔



پاکستان سمیت دنیا بھر میں ہر سال 21 مارچ کو جنگلات کا عالمی دن منایا جاتا ہے، جنگلات کی معاشی ، ماحولیاتی اور زرعی اہمیت کا تعین کرتے ہوئے اقوام متحدہ کی اسمبلی میں جنگلات کا عالمی دن منانے کی قرارداد پیش کی گئی اس دن کے منانے کا مقصد جنگلات کو ترقی دینا ۔ جنگلات اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد سے معاشرے میں شعور اجاگر کرنا ہے۔ جنگلات کے کٹاؤ سے ہونے والے نقصان کی آگاہی دینا ۔

گزشتہ چند سال میں جنگلات کا رقبہ ساٹھ فیصد سے کم ہو کر تیس فیصد رہ گیا ہے ۔ جنگلات کی روز بروز کمی کے باعث اوزون کی تہہ باریک ہوتی جارہی ہے اور زمین کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے ۔ اس لئے جنگلات کے تحفظ کے لئے تحریکیں چلائی جارہی ہیں ۔ جنگلات نہ صرف انسانوں بلکہ چرند پرند اور جانوروں کی بقاء کے لئے اہمیت رکھتے ہیں۔ ملک کی متوازن معیشت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے تیس فیصد رقبے پر جنگلات ہوں۔ لیکن سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پاکستان کے کل رقبے کا صرف لگ بھگ پانچ فیصد جنگلات پر مشتمل ہے ۔ جبکہ غیر سرکاری حلقوں کے مطابق پاکستان کے پاس صرف تین فیصد جنگلات باقی ہیں۔ ان میں سے بھی ہر سال قریباً آٹالیس ہزار ہیکٹر جنگل غائب ہو رہا ہے ۔ اس میں آگ، کیڑے کوڑوں اور نباتاتی بیماریوں کا تصور صرف چھ فیصد ہے ۔ بقیہ 94 فیصد جنگل کی صفائی کے ذمہ دار کمرشل اور نان کمرشل، قانونی

و غیر قانونی انسانی ہاتھ ہیں۔ اگرچہ حکومت اپنے اعداد و شمار کے ذریعے یہ ثابت کرنے پر مصر ہے کہ گزشتہ دس برسوں میں جنگلات پر مبنی کل رقبہ چار اعشاریہ آٹھ سے بڑھ کر پانچ اعشاریہ صفر ایک فیصد ہو گیا ہے ۔

پاکستان میں دیگر مسائل کے علاوہ جنگلات کی کمی بھی ایک مسئلہ ہے ۔ جنگلات کی کمی ہونے کی وجہ سے روز بروز آلودگی میں اضافہ ہو رہا ہے ۔ تو دوسری طرف ٹمبر مافیا بھی اپنا کردار نبھانے میں سرگرم ہیں۔ جنگلات میں کمی کرنے میں ٹمبر مافیا خاطر خواہ کردار ادا کر رہے ہیں۔ جنگلات کی قیمتی لکڑی کو مفت اور چوری کاٹ کر بازاروں میں جا بیچتے ہیں۔ ٹمبر مافیا کی ان حرکات کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑ رہا ہے ۔

لہذا اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ٹمبر مافیا کو روکنے کیلئے حکومت سخت قانون بنائے (قانون تو موجود ہیں ان کا نفاذ یقینی بنائے) جنگلات کسی بھی ملک کی معیشت کا لازمی جز ہیں۔ ملک کی متوازن معیشت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے فیصد رقبے پر جنگلات ہوں۔ جنگلات قدرتی وسائل کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ پاکستان میں جنگلات کا کل رقبہ 42,240 کلومیٹر ہے جو کہ 05.31% بنتا ہے پاکستان میں جنگلات کا رقبہ اس لئے بھی کم ہو رہا ہے کہ یہاں پر جنگلات کو بے رحمانہ طریقے سے کاٹا جا رہا ہے ۔ مکانات کی تعمیر کے لئے جنگلات کی زمین کو استعمال کی جا رہا ہے اور پھر ہر سال دریا بھی کٹاؤ کا کام کر رہے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ جنگلات کے اگانے کے لئے مزید زمین مختص کی جائے اور درختوں کی غیر ضروری کٹائی کو بند کیا جائے ۔



جنگلات ملک کے اہم وسائل میں سے ایک ہیں اور یہ اس ملک کی عمارتی لکڑی اور جڑی بوٹیوں کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ جنگلات زمین کی زرخیزی قائم رکھنے میں مدد کرتے ہیں۔ جنگلات درجہ حرارت کو اعتدال پر رکھتے ہیں اور اطراف کے موسم کو خاص طور پر خوشگوار بناتے ہیں۔ جنگلات سے حاصل شدہ جڑی بوٹیوں ادویات میں استعمال ہوتی ہیں۔ جنگلات جنگلی حیات کا ذریعہ اور سبب ہیں۔ بے شمار جنگلی جانور یعنی شیر، چیتا، اور ہرن وغیرہ جنگلات میں پائے جاتے ہیں۔ جنگلات جلائے

جانے والی لکڑی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ جنگلات زمین کے حسن و دلفریبی میں اضافہ کرتے ہیں۔ جنگلات بہت سے وسائل کا ذریعہ اور ماخذ ہیں۔ مثلاً جنگلات سے حاصل کردہ لکڑی فرنیچر، کاغذ، مچس اور کھیلوں کا سامان تیار کرنے میں استعمال ہوتی ہیں۔ جنگلات پہاڑوں پر جی ہوئی برف کو تیزی سے پگھلنے سے روکتے ہیں اور زمین کے کٹاؤ پر بھی قابو رکھتے ہیں۔

جنگلات انسانوں اور قدرتی نباتات کو تیز رفتار آندھیوں اور طوفان کی تباہی اور بربادی سے محفوظ رکھتے ہیں۔ جنگلات فضاء میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کی مقدار کو بڑھنے نہیں دیتے کیوں کہ انہیں خود اس گیس کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ آکسیجن خارج کرتے ہیں جو انسانی زندگی کے لئے لازمی ہے ۔ بھیڑ، بکری، اونٹ جیسے حیوانات اور سینکڑوں جنگلی جانور اپنی غذا ان ہی جنگلات سے حاصل کرتے ہیں۔ جنگلات تفریحی مقامات کے کام آتے ہیں اور لوگ ان کے خوبصورت ، حسین مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ جنگلات مختلف اقسام کے جانوروں اور پرندوں کی افزائش اور نشوونما کا ذریعہ بنتے ہیں انسان آج انہی درختوں کا سب سے بڑا دشمن بن چکا ہے ، جی ہاں، وہی درخت اپنے قاتل اسی انسان کی بے شمار ضروریات پورا کرتے ہیں۔ اگر ان نباتات کو زمین سے خارج کیا جائے و انسانی زندگی کا تصور بھی ممکن نہیں ۔ یہی درخت جہاں ماحول کو خوبصورت بناتے ہیں، وہیں ہوا کو صاف رکھتے ، آندھی اور طوفانوں کا زور کم کرنے ، آبی کٹاؤ روکنے ، آکسیجن میں اضافے اور آب و ہوا کا توازن برقرار رکھنے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ ماحولیاتی آلودگی موجودہ دور کا ایک گمبھیر مسئلہ ہے تو درخت ہی اس پیچیدہ مسئلے کا ایک اچھا اور آسان ترین حل ہیں۔



اب ہمارے جنگلات صرف بمشکل تک 4 فیصد رہ گئے ہیں۔ اس کا خوفناک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہمارے ملک میں اب وہ سلسلہ وار بارشیں بہت حد تک ختم ہو کر رہ گئی ہیں، جن پر ہماری زراعت کا سب سے زیادہ انحصار تھا۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ بھارت نے دریائے راوی کا پانی مکمل بند کر دیا تو علاقہ بھر ہو گیا ۔

حکومت کو بھارتی آبی دہشت گردی کے سدباب کے ساتھ ساتھ پاکستان بھر میں ان مشتے جنگلات کو بچانے کی فوری تدبیر کرنی چاہیے ۔ پاکستانی قانون میں اگرچہ کاغذات کی حد تک جنگلات کے کٹاؤ کے خلاف پابندی بھی عائد ہے ، لیکن اس کی کسی کو پروا نہیں۔ اصل میں جنگلات کے کٹاؤ اور

ان درختوں کے جو نہروں، دریاؤں، سڑکوں کے کنارے لگائے جاتے تھے، وہ افراؤ ہی ملوث ہیں، جو ان کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں، پاکستان کے جنگلات اور ملک کے باقی درختوں کا کوئی پرسان حال نہیں۔ وزیر اعظم جناب نواز شریف کے ساتھ چاروں وزرائے اعلیٰ سے عالمی یوم جنگلات کے موقع پر گزارش ہے کہ اس مسئلے کی بھی فوری نوٹس لیں۔ شجر کاری کی زیادہ سے زیادہ مہم چلائیں اس سلسلے میں عوام کو بھی بھرپور کردار ادا کرنا چاہیے۔

§§§

شوگر مافیا کا عروج اور کپاس کا زوال

مصنف: علی احمد

سے کئی گنا آگے ہیں۔ کما کی فصل 12 سے 16 ماہ میں تیار ہوتی ہے اور اس کے لیے اوسطاً 78 انچ فی ایکڑ پانی درکار ہوتا ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں دیگر مقامی فصلوں کے لیے پانی کی ضرورت کا جائزہ لیں تو کپاس اوسطاً 39 انچ فی ایکڑ، مکئی 35 انچ فی ایکڑ، گندم، جوار اور باجرہ 21 انچ فی ایکڑ پانی سے تیار ہوجاتی ہیں۔ اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ کما کی فصل کو باقی تمام فصلوں کی نسبت تین گنا زیادہ پانی کی ضرورت ہے لیکن اس کے باوجود ہر سال کما کے زیر کاشت رقبہ میں اضافہ کر کے ملک کو پانی کے بحران میں دھکیلنے کی سازش کی جارہی ہے۔ اگر کما کے زیر کاشت رقبہ کو محدود کر دیا جائے تو جہاں کپاس کی پیداوار میں اضافہ ہوگا وہاں ایک کثیر رقبہ پر اس دورانیہ میں گندم کی دو فصلیں کاشت کی جاسکتی ہیں جس کی وجہ سے پاکستان گندم میں خود کفیل ہوجائے گا۔

کسانوں کی کسمپرسی ملاحظہ کیجئے کہ چینی کی کم قیمتوں کی وجہ سے گئے کے کاشتکاروں کو اپنی فصل شوگر انڈسٹری کے صنعت کاروں کے رحم و کرم پر چھوڑنی پڑتی ہے۔ باثر افراد پر مشتمل شوگر ملز مافیا بیک وقت کم قیمت پر گنا خرید کر اور کسانوں کو منگنے داموں چینی فروخت کر کے ان کا استحصال کر رہا ہے۔ کسانوں کو گئے کی مناسب قیمت نہیں دی جاتی بلکہ معمولی قیمت کی ادائیگی کے لیے بھی مہینوں تک محروم رکھا جاتا ہے۔ شوگر ملز کروڑوں روپوں کی ناپائیدار ہیں کیوں کہ بیشتر شوگر ملیں حکمرانوں اور سیاسی راہنماؤں کی ذاتی ملکیت ہیں۔ اعداد و شمار کے مطابق اس وقت پاکستان میں کل 85 شوگر ملز ہیں سے آدھی سیاستدانوں کی ملکیت ہیں۔ پنجاب میں شریف خاندان کی 9 شوگر ملز ہیں جبکہ سندھ میں چار شوگر ملز زرداری خاندان کی ملکیت ہیں اور ایک شوگر مل ذوالفقار مرزا کی ملکیت ہے۔ آئی ایس کے سابق ڈی جی اختر عبدالرحمان کے دو صاحبزادوں ہارون اختر اور ہمایوں اختر کی دو شوگر ملز ہیں۔ تحریک انصاف کے مرکزی رہنما جہانگیر خان ترین کی دو شوگر ملز سابق چیئرمین پی سی بی ذکا شرف ایک شوگر مل کے مالک ہیں۔ سابق وفاقی وزیر عباس سرفراز خیبر پختونخوا میں موجود 8 میں سے 4 شوگر ملز کے مالک ہیں۔ اسی طرح اس کے علاوہ محرم احمد محمود، نصر اللہ دریغ، چوہدری شجاعت حسین، چوہدری پرویز الہی اور میاں اختر سمیت کئی سیاستدان اور خاندان شوگر ملز کے مالک ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ٹیکسٹائل ملز کی نسبت شوگر مافیا زیادہ طاقتور ہے اور کپاس کی کاشت کرنے کے بجائے کما کو ترجیح دیتے ہوئے ملکی معیشت کو تباہ کیا جا رہا ہے۔

موجودہ حالات میں کپاس کی پیداوار میں اضافہ کے لیے حکومت کو انقلابی اقدامات کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ کپاس کی پیداوار کے لیے موزوں علاقوں بالخصوص جنوبی پنجاب میں کما کی کاشت، شوگر ملز کی منتقلی اور نئی شوگر ملز لگانے پر پابندی عائد ہونی چاہیے۔ کما کی فصل کے طویل دورانیہ اور پانی کی زیادہ ضرورت کی وجہ سے دنیا بھر میں چتندر کو چینی کے بہترین ذریعے کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ پاکستان میں خیبر پختونخوا، سندھ اور پنجاب کے کچھ اضلاع کی آب و ہوا چتندر کی کاشت کے لیے سازگار ہے۔ چتندر کی فصل جلد تیار ہوجاتی ہے اور پاکستان میں اس کی اوسط پیداوار بھی زیادہ ہے اس لیے اسے چینی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے چتندر کی کاشت کو کما کے متبادل کے طور پر فروغ دیا جانا چاہیے۔



کپاس ہمارے ملک کی ایک اہم نقد آور فصل ہے جس کا جی ڈی پی میں حصہ 1.7 فیصد ہے۔ ٹیکسٹائل کے شعبے میں کپاس کا مرکزی کردار ہے اور ٹیکسٹائل انڈسٹری نہ صرف ہمارے 66 فیصد برآمدات کا احاطہ کرتی ہے بلکہ 40 فیصد مزدوروں کو روزگار بھی فراہم کرتی ہے۔ ملکی آب و ہوا کپاس کے لیے سازگار ہونے کے باعث پاکستان عرصہ دراز سے کپاس کی پیداوار کے لحاظ سے دنیا کے پانچ بڑے ممالک میں شامل رہا ہے لیکن گزشتہ پانچ سالوں میں کپاس کی پیداوار میں تشویشناک حد تک کمی نے ملکی معیشت کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ پاکستان میں گزشتہ برس کپاس کی فصل خاصی بہتر رہی اور 14.6 ملین گانٹھیں حاصل ہوئیں، لیکن مجموعی طور پر کپاس کی پیداوار میں 30 فیصد کمی واقع ہوئی جس کی وجہ سے ملکی معیشت کو 5 فیصد نقصان کا سامنا رہا۔ کپاس کی پیداوار تخمینہ سے کم ہونے کے باعث کپاس کے متوقع بحران سے نمٹنے کے لیے رواں سال 15 لاکھ گانٹھوں کے لگ بھگ بیرون ممالک سے روٹی کے درآمدی معاہدے کر لیے گئے ہیں۔ کپاس کی پیداوار میں عالمی شہرت کے حامل ملک کے لیے اربوں روپے کپاس کی درآمد پر خرچ کرنا حکومت کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

موسمی تغیرات اور ہر سال بیماریوں کے حملے کے علاوہ کپاس کے زیر کاشت رقبہ میں بندرتج ہونے والی کمی کپاس کی پیداوار میں کمی کی بڑی وجہ ہے۔ سینٹرل کاؤن ریسرچ انسٹیٹیوٹ ملتان کے مطابق حالیہ سیزن میں کپاس کے زیر کاشت رقبہ میں کمی کا بنیادی سبب گئے کے زیر کاشت رقبہ میں ہونے والا اضافہ ہے۔ ادارے کی طرف سے جاری کردہ رپورٹ کے مطابق گزشتہ سال صوبہ پنجاب میں 15 لاکھ ایکڑ رقبہ پر گئے کی فصل کاشت کی گئی تھی، جبکہ رواں سال گئے کا زیر کاشت رقبہ بڑھ کر 18 لاکھ ایکڑ ہو گیا ہے۔ گزشتہ سال کپاس کے زیر کاشت رقبہ میں پنجاب میں 21 فیصد کمی اور ملک بھر کے مجموعی زیر کاشت رقبہ میں 15 فیصد کمی ہو گئی جو کپاس کی پیداوار میں کمی کی سب سے بڑی وجہ ہے۔

ملکی پیداوار کے لحاظ سے صوبہ پنجاب میں کپاس کی کاشت کا رقبہ 80 فیصد ہے۔ کپاس کی فصل پر کیڑوں کے حملے سے بچا کے لیے حکومت نے محکمہ زراعت کی ہدایت پر صوبہ پنجاب میں کپاس کی قبل از وقت بوائی پر دفعہ 144 نافذ کر دی ہے۔ اگیتی کاشت پر پابندی کی وجہ سے کاشتکار کپاس کی بوائی کے لیے 15 اپریل تک انتظار کرنے کے بجائے کما کی بوائی کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔ کاشت کاروں کی ایک قابل ذکر تعداد اس حکومتی اقدام کو © "کاؤن بیلٹ" میں شوگر ملز لگانے والے مافیا کما کاشت کو فروغ دلوانے کی سازش قرار دے رہے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ گزشتہ چند برسوں سے کما کے بڑھتے ہوئے زیر کاشت رقبہ نے کپاس کی پیداوار کو شدید متاثر کیا ہے۔ کما گرم مرطوب علاقے کی فصل ہے اور پنجاب گرم خشک علاقہ ہے یہاں اوسط سالانہ بارش بھی کم ہوتی ہے۔ امریکہ کی سٹینفورڈ یونیورسٹی کے محققین کے مطابق جس خطہ میں کما کی فصل کاشت کی جائے وہاں درجہ حرارت کم اور آب و ہوا مرطوب ہوجاتی ہے۔ پاکستان میں کپاس کے کی کاشت کے لیے سازگار سمجھے جانے والے علاقوں میں کما کاشت کرنے کی وجہ سے فضا میں نمی کا تناسب بڑھ چکا ہے جس کی وجہ سے آب و ہوا گرم مرطوب ہو چکی ہے۔ چونکہ کپاس کی فصل کے لیے گرم خشک آب و ہوا کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے آب و ہوا کی تبدیلی کی وجہ سے اس فصل پر ہر سال انتہائی خطرناک بیماریوں کا حملہ معمول بن چکا ہے۔

کپاس کے پیداواری علاقوں میں کما کی کاشت کے فروغ کے لیے سرگرم عمل مافیا اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ پاکستان میں کما کی فی ایکڑ اوسط پیداوار 639 من ہے جو کہ دیگر ممالک سے کئی گنا کم ہے۔ مصر، جنوبی افریقہ، آسٹریلیا، انڈونیشیا اور ملائیشیا میں فی ایکڑ اوسط پیداوار 1800 من سے زائد ہے جبکہ ہمارے ہمسایہ ممالک چین، بھارت اور بنگلہ دیش بھی اس دوڑ میں ہم

فیس بک اور وہاٹس ایپ کا استعمال کتنا مفید، کتنا مضر؟

مصنف: اسد احمد

عام طور پر کوئی بھی چیز فی نفسہ اچھی یا بری نہیں ہوتی بلکہ اس کی اچھائی یا برائی اس کے اچھے یا برے استعمال پر موقوف ہوا کرتی ہے۔ یہ ضابطہ جہاں دنیا کی عام چیزوں میں جاری اور عملاً نافذ ہے، وہیں فیس بک اور وہاٹس ایپ سمیت سوشل میڈیا کی دنیا بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں۔ اگر ان دونوں کا صحیح استعمال ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ تبلیغ اسلام، اصلاح معاشرہ، صالح تفکر، حسن تدبیر، مشاورت، مراسلت، تاثیر و تاثر اور تعلیم افکار کا بہترین ذریعہ ہیں، جن سے پوری دنیا جڑی ہوئی ہے۔ اور سالوں بلکہ عرواں میں کیا جانا والا کام ان کے توسط سے گھنٹوں میں کیا جاسکتا ہے۔ ایک کلک اور چند ساعتوں کی کھپت وہ گل کھلا سکتی ہے جس کا کل تک کوئی تصور بھی نہیں تھا۔ اس دعوے کی دلیل کے طور پر ابھی ماضی قریب میں مصر میں پیدا شدہ انقلاب کی مثال پیش کی جاسکتی ہے، جس کے پیچھے بنیادی طور پر مکمل کردار فیس بک کا تھا۔ فیس بک کے واسطے سے ہی ڈکٹیٹر شپ کے خاتمے کی فکر عام ہوئی، اسی سے ذہنوں میں تبدیلی کا سور پھونکا گیا، اسی کے ذریعہ تغیر پسند لوگوں کی ٹیم تشکیل پائی اور پھر اسی سے بڑی شیرازہ بندی کے ساتھ احتجاجی جماعتیں وہاں کے تحریر چوک میں جمع ہوئیں۔ جس کے عظیم انقلابی نتائج کس روپ میں ظاہر ہوئے؟ اسے پوری دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مدتوں مطلق العنانی کا شکار رہی زمین مصر کی مکمل تاریخ کا یہ اٹھل پھٹل کیا فیس بک کا جادوئی کرشمہ نہیں؟ یہی وجہ ہے کہ اس سے متاثر ہو کر وہاں ایک آدمی نے اپنی بچی کا نام فیس بک رکھا۔



یہ مثبت پہلو تھا جبکہ اگر اسی واسطے کو غلط ڈگر پر ڈال دیا جائے تو تاریخ نے دیکھا ہے کہ اسی فیس بک نے ہزاروں گھر بھی اجاڑے ہیں، طلاقیں بھی کروائی ہیں اور جانیں بھی لی ہیں۔ ماؤرن انج کے میاں بیوی فرضی آنی ڈی سے ایک عرصے تک باہمی چیٹنگ کرتے رہے اور آخر ایک دن جب ملاقات کے لیے دونوں ہوٹل پہنچے تو ایک دوسرے کو دیکھ کر

اور مدتوں جاری رہی فحش چیٹنگ کے اپنے ہی کرتوتوں کو یاد کر کے دنگ رہ گئے اور پھر اسی دم ای جی طلاق لے دے کر ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے۔ کئی بار یہی صورت حال باپ اور بیٹی کے درمیان میں بھی پیدا ہوئی اور باپ جہاں اپنے کالے کرتوتوں پر پشیمان ہوا وہیں اپنی بیٹی کے کردار پر بھی انگشت بدندان رہ گیا جبکہ بچی بھی باپ کی اس کارستانی پر پانی پانی ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

راقم السطور ابھی زیر نظر مضمون لکھ ہی رہا تھا کہ فیس بک نے اسی کے ساتھ ایک بڑی چوٹ کر دی۔ ہوا یوں کہ ایک دوست نے فون پر اطلاع دی کہ ایف بی پر اپنا پروفائل نام پیک کیجیے کسی نے پاس ورڈ بیک کر کے ”خالد ایوب مصباحی“ کی جگہ ”خالد ایوب مصباحی ہندو“ کر دیا ہے۔ دیکھا تو حیران رہ گیا۔ حیرانی کے ساتھ مزید پریشانی اس وقت ہوئی یہ جب ایڈٹنگ کے تعلق سے یہ قانون دیکھنے کو ملا کہ پروفائل نام میں ایک بار ترمیم کرنے کے بعد ساٹھ دن سے پہلے دوبارہ کوئی ترمیم نہیں کی جاسکتی۔ نہ جائے ماندن، نہ پائے رفتن۔ بالکل یہی خرافات کئی ایک دیگر دوستوں کے ساتھ بھی کی گئی تھی اور ہر ایک کے ساتھ بس یہی ہوا کہ نام کے آخر میں ”ہندو“ کا لفظ بڑھا دیا گیا تھا۔

فیس بک پر اس طرح کی رذیل حرکتوں کے نتیجے میں ملک کئی بار سنگین حالات کا شکار ہو چکا ہے لیکن شرارت پسند عناصر اپنی فطرت سے مجبور معلوم ہوتے ہیں۔ ملک کے طول و عرض میں ہر دن کہیں نہ کہیں اس تعلق سے فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو ہی جاتا ہے اور ایک طبقے کی ناپاک ذہنیت یہی ہے کہ یہ سلسلہ جتنے نہ پائے۔

آنے دن پیدار کی شایوں کے نام پر ڈھونگ رچنا اور صرف دو مطلب پرست نو جوان مرد اور دو شیرہ کا اپنے پیدا کرنے والے ماں باپ سمیت پورے کنبے اور تمام تعلق داروں سے ہمیشہ کے لیے رشتے ناطے توڑ لینا، نئی دنیا کے لیے ایک دل چسپ مشغلہ سا بن چکا ہے۔ اور اس میں شاید کسی کو تامل نہ ہو کہ یہ پورا کھیل زیادہ تر فیس بک کی دین ہوتا ہے۔ پہلے فیس بک سے دوستیاں ہوتی ہیں، باہمی تصویروں کا تبادلہ ہوتا ہے، چیٹنگ ہوتی ہے اور پھر موبائل فون کے ذریعہ رابطہ ہوتا ہے۔ اسکولز اور کالجوں کی آڑیاں ملنے ملانے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ بچوں کی غیر ضروری مصروفیات سے ماں باپ کی لا تعلق راستے کا ہر روڈا ختم کر دیتی ہے اور پھر شادی ہو یا نہ ہو وہ سب کچھ ہو جاتا ہے جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔

فیس بک اگرچہ کوئی بہت پرانی ایجاد نہیں لیکن اگر اس نو مولود ایجاد کی یہی چند سالہ مختصر سی تاریخ دیکھی جائے تو اس قسم کے سیکڑوں نہیں ہزاروں واقعات، حوادث اور کرشمے ملیں گے جبکہ لگ بھگ یہی صورت حال دیگر سوشل سائٹس کی ہے، فرق اتنا ہے کہ فیس بک اپنی نسبتاً قدامت

و عمومیت اور بے پناہ مقبولیت کی بنیاد پر زیادہ چیزوں میں رہا اور دوسری سائٹس کو وہ حیثیت نہ حاصل ہو سکی۔ جبکہ ادھر جب سے وہاٹس ایپ کی ایجاد ہوئی ہے، اس وقت سے فیس بک ہی کی طرح اسے بھی غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ اور اس پذیرائی کا بنیادی سبب ہے اس سائٹ کی سہولت۔ لیکن اس کا عموم بھی لگ بھگ رفتہ رفتہ وہی تاریخ دوہرا رہا ہے جو فیس بک کا ریکارڈ رہی ہے۔ وقت کا ضیاع، پیسوں کی بربادی، نظریات کی جنگ اور برائیوں کی تعلیم، اس کے واضح نقصانات محسوس کیے جا رہے ہیں۔

اخلاق و کردار پر منفی اثرات مرتب کرنے کے علاوہ ان سوشل سائٹس کا جو دوسرا خطرناک پہلو ہے وہ ہے صحت اور معیشت پر غیر معمولی اثر اندازی۔ جس شخص کو ان چیزوں کی لت لگ جاتی ہے، دیکھا یہ جاتا ہے کہ اگر وہ کوئی بالغ نظر، ذی شعور اور قوت فیصلہ کا حامل فرد نہیں تو پھر گھنٹوں گھنٹوں ان میں یوں کھپا دیتا ہے جیسے زندگی کا کوئی اہم ترین مشغلہ ہاتھ لگ گیا ہو۔ ظاہر ہے اس سے جہاں وقت اور پیسوں کی بربادی ہے وہیں موبائل اور کمپیوٹر وغیرہ کی اسکرین پر مسلسل نظریں جمائے رہنے سے قوت بصارت اور مسلسل ہاتھ کی انگلیاں چلانے سے ان پر جو گہرے ضرر رساں اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ بھی کسی لعنت کے طوق سے کم نہیں۔ جبکہ اس قسم کی سائٹس کا عام استعمال کمپیوٹر کی بجائے موبائل سے ہوتا ہے اور موبائل کی چھوٹی اسکرین برابری کے لیے اتنا کافی ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے کمپیوٹوں نے ان چیزوں کی لت لگانے کے بعد نیٹ پیک کے دام جس تیزی سے بڑھائے ہیں وہ اس پورے طبقے کے لیے بے پناہ تشویش کا سبب بنا ہوا ہے اور اس تعلق سے کچھ آن لائن تو کچھ آف لائن احتجاجات بھی ہو چکے ہیں۔



خبر! یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ عام طور پر ہر چیز میں نفع و نقصان کے دونوں پہلو ہوا کرتے ہیں۔ سوشل سائٹس کے بھی یہی دونوں رخ ہیں جن کی ملکی سی جھلک ہم نے اوپر دیکھی۔ اب ہم یہاں ان سائٹس کے استعمال کے کچھ اصول و آداب ذکر کر رہے ہیں جن کی رعایت سے امید ہی نہیں کامل یقین

کی حد تک ضرر رساں پہلوؤں سے بچا سکتا ہے۔

سوشل سائنس کے استعمال کے اصول و آداب:- (۱) ضرورت بھر استعمال کریں: یعنی صرف ضروری گفتگو کے لیے یوز کریں۔ (۲) ضرورت پر استعمال کریں: یعنی فضول چیٹنگ، گپ شپ، مضحکہ خیز یوز اور چوں چڑا میں وقت ضائع نہ کریں کیوں کہ بہر حال یہ سب ضرورت کی چیزیں ہیں، دل چسپی کی نہیں اور وقت سے قیمتی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اس کے لیے بہتر ہوگا کہ ان کے استعمال کے لیے کوئی وقت مختص کر لیا جائے۔ (۳) ٹائم ٹو ٹائم یوز کریں: اپنی ٹائم اسی میں لکھا رہنا نہ دانش مندی ہے اور نہ ضروری۔ (۴) اہل خانہ کے لیے مخصوص اوقات ہرگز ان میں صرف نہ کریں، کیوں کہ یہ جہاں عقلا جائز نہیں ویسے ہی اس سے پہلے شرعاً ناجائز ہیں۔ (۵) اسی طرح عبادات یا دیگر متعینہ اوقات جیسے ڈیوٹی کے ٹائم وغیرہ ان میں ہرگز صرف نہ کریں۔ (۶) ضرورت تک استعمال کریں: فحش تصاویر شیئر تو بہر حال نہیں کرنا ہے لیکن بھول چوک سے بھی ان کو زوم کر کے تفصیل کے ساتھ دیکھنا بھی نہیں ہے کیوں کہ بارہا ندامت میں اس طرح کی تصویریں لاکھ ہو جاتی ہیں جو ہماری پروفائل دیکھنے والوں یا عقیدت کیشوں کے لیے تنفر اور بدگمانی کا باعث ہو سکتی ہیں۔ (۷) بلا ضرورت کمینٹ کرنا، کسی کو چھیڑنا اور خواہ خواہ کسی کا بچولیا بننا معقول نہیں۔ (۸) اگر کوئی معقول بات یا معقول تصویر ہو تبھی شیئر کریں، ورنہ خواہ خواہ اپنے شوق کی تکمیل کے لیے دنیا کے لیے درد سر بننا دانش مندی نہیں۔ (۹) معقول بات شیئر کرتے وقت بھی یہ دیکھ لینا چاہیے کہ آپ کی شیئر کی ہوئی بات کسی بھی طور پر کسی کے لیے دل آزاری کا سبب تو نہیں؟ (۱۰) پرسنل باتیں شیئر کرنا حماقت ہے جیسے: میں فلاں جگہ روانہ ہو رہا ہوں، فلاں جگہ پروگرام میں ہوں، فلاں سے مل رہا ہوں وغیرہ، کیوں کہ یہ سب پرسنل سائنس نہیں، سوشل یعنی قومی ہیں اور عام ہیں اور عام جگہ پر خاص گفتگو کہاں کی عقل مندی ہے؟ یہ وبا عام طور پر پائی جاتی ہے، اس کا علاج ہونا چاہیے۔ (۱۱) کسی بھی نظریے یا فکر سے اختلاف ہو تو بڑی سنجیدگی سے اس کا اظہار ہونا چاہیے کیوں کہ جس طرح ہمارے سامنے کوئی نہیں، اسی طرح پس دیوار کتنے ہیں، کیسے کیسے ہیں اور کون کون ہیں؟ ہمیں کچھ نہیں معلوم، اس لیے احتیاط اور سنجیدگی کا دامن یہاں ہرگز نہ چھوٹے۔ فیس بک پر یہ لحاظ بھی بہت کم لوگ کر پاتے ہیں اور ہمیں سے بے وقوفی یا عقل مندی کا پہلا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ (۱۲) اگر ہو سکے تو خدمت خلق اور خوش نودی رب کے لیے استعمال کریں مثلاً: کسی کے تعاون کے لیے، کسی کی دینی، دنیوی، تعلیمی، سماجی، رفاہی، رہ نمائی کے لیے، کسی اہم اطلاع کے لیے، کسی سروس وغیرہ کے آخر کے لیے وغیرہ وغیرہ۔ (۱۳) ممکن ہو تو عادت بنائیں کہ دینی باتوں کو معقول، مستحکم، قابل اطمینان اور مدلل انداز میں پیش کر سکیں، پیش کش ایسی ہو کہ اولاً تو کسی

کو اعتراض ہی نہ ہو اور اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو بڑی معقولیت اور سنجیدگی سے اس کا شافی حل پیش کریں اور انداز بہر حال کلیمانہ اور داعیانہ ہو۔

تلفیح دین کا یہ کام ان حقوق کی رعایت کے ساتھ ہر مسلمان کو بالعموم اور علما کو بالخصوص کرنا چاہیے اور ضرور کرنا چاہیے۔ کیوں کہ شاید ایسے آسان اور دل پذیر ذرائع سے زیادہ موثر ذرائع تبلیغ اور نہ مل سکیں۔ اور اس قسم کے ذرائع سے متاثر ہو کر آدمی سائیکوجیکل طور پر جتنا جلدی اثر پذیر ہوتا ہے کبھی کبھار بالمشافہ افہام و تفہیم کے ذریعہ بھی اتنا متاثر نہیں ہوتا۔ یہ کام اس لیے بھی ضروری ہے کہ بد باطن لوگ اپنے باطل نظریات کے فروغ کے لیے ان سوشل سائنس پر حشرات الارض کی طرح کبھرے پڑے ہیں، دل کش اور دل فریب ٹائٹلس کے ساتھ نت نئے گروپس، قسم قسم کے بلاگس، طرح طرح کی لنکس اور اب تو انڈروئڈ مارکیٹ نے سافٹ ویئرز کی ایجاد کو بھی اتنا سہل کر دیا ہے کہ ہر طرح کا مواد ویب سائنس اور گوگل وغیرہ کی مدد کے بغیر ڈائریکٹ سافٹ ویئرز کے روپ میں مل جاتا ہے۔ اس کا ایک بڑا نقصان جو ہوا ہے وہ یہ کہ عام آدمی کے لیے اس مارکیٹ سے کسی بھی سافٹ ویئر کو ڈاؤن لوڈ کرنے سے پہلے یہ امتیاز کرنا نہایت مشکل ہو جاتا ہے کہ کھرا کون سا ہے اور کھوٹا کون سا؟ ایسے میں سب سے بہتر تو یہی ہے کہ ہمارے لوگ بھی انڈروئڈ مارکیٹ کا پورا فائدہ اٹھائیں اور جماعت اہل سنت کے انڈروئڈ سافٹ ویئرز زیادہ سے زیادہ ایڈاپٹ ہوں۔ لیکن اگر علی الفوری یہ نہیں کیا جا سکتا تو کم سے کم یہ ضرور ہونا چاہیے کہ وہاٹس ایپ گروپس، چھوٹے چھوٹے ویڈیوز کی گلیس، ایک ایک عقیدے اور مسئلے کی چھوٹی چھوٹی ایجنز وغیرہ بکثرت ہوں جن کی تحصیل بھی آسان ہو اور ان سے استفادہ بھی سہل۔ کیوں کہ اب طول طویل باتیں سننے سنانے اور پڑھنے پڑھانے کا زمانہ لد گیا۔ دنیا اب وہ پڑھنا چاہتی ہے جس میں محض ایک نظر سے کام ہو جائے، دوسری نظر اٹھانے کی بھی ضرورت نہ محسوس ہو، جنھوں نے یہ سہولت دی ہے، وہ بڑھ رہے ہیں اور جنھوں نے اپنے آپ کو ان آسانیوں کے دور میں بھی زمانے کے دوش بدوش نہیں کیا وہ زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہتے چلے جا رہے ہیں۔ اور اگر اس پسماندگی کا احساس نہ کیا گیا تو خدا نخواستہ وقت نکل جانے پر سوائے حسرت کے اور کوئی یاد نہیں ہوگا۔ اس لیے جو ان میدانوں کے آدمی ہیں انھیں ان میدانوں کو سنبھال لینا چاہیے اور پھر سنبھل کر بیٹھ جانا چاہیے۔

انہر میں بطور تشویق شاید اس بات کا ذکر بے جا نہ ہو کہ فقیر راقم السطور نے تقریباً سال بھر پہلے وہاٹس ایپ پر ”آن لائن مفتی“ نامی ایک گروپ بنایا تھا جس کا مقصد تھا عوام کو جوڑنا اور پھر ان کے دینی سوالات کے جوابات دینا۔ الحمد للہ اس گروپ کو اتنی مقبولیت ملی کہ کچھ بعد دیگرے ”آن لائن مفتی“ ایک، دو، تین کرتے کرتے چھ گروپ بنانے پڑے

جو تا دم تحریر اپنا کام کر رہے ہیں اور کامیاب ہیں۔ ان گروپس کی اتنی شہرت ہوئی کہ جہاں ہندوستان کے کونے کونے سے لوگ ان سے وابستہ ہیں وہیں سعودی عرب، دبئی، کویت، امریکہ، افریکہ، فجی سمیت کئی ملکوں کے افراد استفادہ کر رہے ہیں۔ ان گروپس کا بنیادی مقصد عوام کی دینی کانڈنگ تھا اور جڑنے والا ہر ممبر اسی کا پابند لیکن رفتہ رفتہ یہاں وہ سب باتیں ہونے لگیں جو عام طور پر دارالافتاؤں میں ہوتی ہیں۔ روز مرہ کے مسائل، غیر مقلدوں کے بالمقابل احادیث، جدید مسائل، اوراد و وظائف اور دیگر معمولات و معاملات وغیرہ اب اسی سلسلے کو فقیر کے ہندی ماہ نامہ ”احساس“ ہے پور، میں سلسلہ وار شائع کیا جا رہا ہے۔ اس تجربے کی روشنی میں یہ کہنا صد فیصد بجا ہے کہ عوام آج بھی پیاسی ہے اور مثلاً یہ ہے۔ اور اس ناحیہ سے راہ بروں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ جدید تقاضوں سے لیس ہو کر ساقی کا کردار ادا کریں۔

سر دست ان سائنس کے ذریعہ جو کام بڑی آسانی سے اور پوری مقبولیت کے ساتھ کیے جا سکتے ہیں وہ اس قسم کے ہو سکتے ہیں جن کی زیادہ ضرورت ہے: عقائد اہل سنت کی وضاحت۔ عقائد اہل سنت کا اثبات۔ باطل اور حق پرست فرقوں کا تعارف۔ سیرت رسول ﷺ کی تعلیم۔ مسائل شرعیہ کی عقلی و نقلی تفہیم۔ جماعت اہل سنت کے علماء، مدارس، تحریکوں، خانقاہوں اور اداروں کا تعارف۔ اعلام اہل سنت کی سوانحیات۔ مسلمانوں کی سیاسی قیادت۔ معمولات اہل سنت کا دفاع وغیرہ وغیرہ۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ کریم ہمیں جذبہ تبلیغ، درد امت، احساس و شعور اور توفیق خیر عطا فرمائے۔

اردو ادب کا ایک نام۔ ابن انشاء

مصنف: علی احمد

یہ کالج نہیں بنجائے کا
تم ایک مجھے بہتری ہو
اک بار کہو تم میری ہو

ابن انشاء 1962ء میں نیشنل بک کونسل کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ اس کے علاوہ ٹوکیو بک ڈسٹریبیوٹرز پروگرام کے وائس چیرمین اور ایشین کو پبلی کیشن پروگرام ٹوکیو کی مرکزی مجلس ادارت کے رکن بھی مقرر ہوئے۔ 1969ء میں آپ نے دوسری شادی کی دوسری بیگم کا نام شکیلہ بیگم تھا۔ دوسری بیوی سے آپ کے دو بیٹے سعدی اور رومی پیدا ہوئے۔ کسی حد تک یہ پسند کی شادی تھی۔ ابن انشاء کی شاعری میں ایک جادو ہے۔ ان کی بات ہی الگ ہے۔ کیا کمال کا شاعر تھا اور کیا کمال کی شاعری ہے۔

دل جبر کے درد سے بوجھل ہے، اب آن ملو تو بہتر ہو
اس بات سے ہم کو کیا مطلب، یہ کیسے ہو، یہ کیونکر ہو
انشاء جی اب اجنبیوں میں چین سے باقی عمر کٹے
جن کی خاطر بستی چھوڑی نام نہ لو ان پیاروں کا

ان کی چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔ آوارہ گرد کی ڈائری۔ دنیا گول ہے۔ ابن بطوطہ کے تعاقب میں۔ چلنے ہو تو چین کو چلئے۔ نگری نگری پھرا مسافر۔ آپ سے کیا پردہ۔ غمار گندم۔ اردو کی آخری کتاب۔ خط انشاء جی۔ اس کے علاوہ آپ نے متعدد تراجم بھی کیے (اندھا کنواں اور دیگر پر اسرار کہانیاں۔ مجبور۔ لاکھوں کا شہر۔ شہر پناہ چینی نظمیں، سانس کی پھانس، وہ بیٹھوی تصویر، عطر فروش دوشیزہ کے قتل کا معرہ، قصہ ایک کنوارے کا۔ کارناسے ناب تیس مار خان کے۔ شلجم کیسے اکھڑا بچوں کیلئے ایک پرانی روسی کہانی کا ترجمہ۔ یہ بچہ کس کا بچہ ہے؟۔ قصہ دم کٹے چوہے کا۔ میں دوڑتا ہی دوڑتا۔ اختر کی یو میں، اور شاہ عبداللطیف بھٹائی کی سندھی شاعری کا اردو ترجمہ بھی کرنے کا بھی اعزاز ابن انشاء نے ہی حاصل کیا۔

انشاء جی اٹھو اب کوچ کرو، اس شہر میں جی کو لگانا کیا
وحشی کو سکوں سے کیا مطلب، جوگی کا گھر میں ٹھکانہ کیا

انشاء جی اٹھو اب کوچ کرو نظم کہنے کے ایک ماہ بعد ابن انشاء کی وفات ہوئی۔ اردو ادب کا یہ بے حد مقبول و اہم شاعر و ادیب، مزاح نگار، جس نے اپنی زندگی کے زیادہ تر ایام حالانکہ اپنے شہر کراچی، لاہور یعنی پاکستان میں گزارے، مگر جب اجل کا وقت قریب آیا تو وہ اپنے وطن سے سات سمندر پار انگلستان میں مقیم تھے۔ وہیں انہوں نے 11 جنوری 1978ء کو لندن میں وفات پائی اور پاپوش نگر قبرستان، کراچی میں آسودہ خاک ہیں۔ یہ عظیم شاعر و ادیب افسانہ نگار ابن انشاء جسمانی طور پر ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس دنیا سے رخصت ہوئے 39 برس بیت گئے ہیں مگر وہ اپنی تخلیقات کے ذریعہ آج بھی زندہ ہے۔

جب دیکھ لیا ہر شخص یہاں ہر جانی ہے

اس شہر سے دور

اک کنیا ہم نے بنائی ہے

اس اس کنیا کے ماتھے پر لکھوایا ہے

سب مایا ہے۔۔۔!!!

اردو ادب کے مایہ ناز شاعر، ادیب ابن انشاء کا اصلی نام شیر محمد خان تھا لیکن ابن انشاء کے نام سے مشہور ہوئے۔ 15 جون 1927ء کو چاندنہر کے ایک نوابی گاؤں کے راجپوت گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام منشی خان تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے سکول میں، مڈل نزدیکی گاؤں کے سکول سے اور 1941ء میں گورنمنٹ ہائی سکول لدھیانہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا، میٹرک میں اول پوزیشن حاصل کی۔ ابن انشاء کو صحافت، علم و ادب سے دلچسپی تھی، اس وقت "نوائے وقت" ہفت روزہ تھا، حمید نظامی صاحب سے خط و کتابت تھی، انہوں نے ایک خط میں حمید نظامی صاحب (مرحوم) سے لاہور آکر "نوائے وقت" میں ملازمت اختیار کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ حمید نظامی کے مشورے پر ابن انشاء لاہور آ گئے اور اسلامیہ کالج لاہور میں فرسٹ ایئر میں داخلہ لے لیا، ان کی رہائش کا بندوبست جناب حمید نظامی نے کیا مگر تین مہینے کے مختصر قیام کے بعد ابن انشاء اپنی طبیعت کے مطابق اور کچھ دیگر وجوہات کے سبب تعلیم اھوری چھوڑ کر لدھیانہ چلے گئے۔

وہاں بھی بھنورے نے کہاں رہنا تھا، لدھیانہ سے انبالہ چلے گئے، وہاں ملٹری اکیڈمی کے دفتر میں ملازمت اختیار کر لی۔ لیکن جلد ہی یہ ملازمت بھی چھوڑ دی اور دلی چلے گئے۔ اس دوران میں آپ نے ادیب فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات پاس کرنے کے بعد پرائیویٹ طور پر بی اے کا امتحان پاس کر لیا تھا۔ ابن انشاء ذہین تھے، تھوڑے عرصے بعد انہیں اسمبلی ہاؤس میں مترجم کی حیثیت سے ملازمت مل گئی۔ بعد ازاں آل انڈیا ریڈیو کے نیوز سیکشن میں خبروں کے انگریزی رپورٹنگ کے اردو ترجمے پر مامور ہوئے اور قیام پاکستان تک وہ آل انڈیا ریڈیو ہی سے وابستہ رہے۔ آپ کی پہلی شادی 1941ء میں لدھیانہ میں عزیزہ بی بی سے ہوئی، عزیزہ بی بی سے ابن انشاء کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوئی، بعد ازاں گھریلو ناچاکی کے سبب دونوں کی طبیعت میں فرق کے سبب عزیزہ بی بی اور ابن انشاء میں علیحدگی ہو گئی، مگر طلاق نہ ہوئی، لہذا عزیزہ بی بی نے باقی تمام عمر ان کی بیوی کی حیثیت ہی سے زندگی بسر کی لیکن ان سے الگ رہیں۔

جب پاکستان بنا تو ابن انشاء اپنے اہل خانہ کے ساتھ ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور لاہور میں رہائش اختیار کر لی، انڈیا میں ریڈیو سے منسلک رہے تھے، اس لیے بھاگ دوڑ کر کے 1949ء میں وہ ریڈیو پاکستان کراچی کے نیوز سیکشن سے بطور مترجم منسلک ہوئے۔ کام کے سلسلے میں کراچی جانا ہوا، اپنی اھوری تعلیم مکمل کرنے کا خیال آیا تو انہوں نے اردو کالج کراچی میں 1951ء میں ایم اے اردو کی شام کی جماعتوں میں داخلہ لے لیا اور 1953ء میں ایم اے کا امتحان کیا پہلی پوزیشن حاصل کی۔ ایم اے کرنے کے بعد ڈاکٹریٹ کیلئے تحقیقی کام کرنے کا سوچا بھاگ دوڑ کر کے مارچ 1954ء میں بعنوان (اردو نظام کا تاریخی و تنقیدی جائزہ (آغاز تا حال) کا مقالہ ملا مگر وہ اپنے اس مقالے کو مکمل نہ کر سکے کچھ عرصہ کراچی میں گزارنے کے بعد لاہور تشریف لے آئے۔ دور جدید کے مسائل سے بھی ابن انشاء آگاہ تھے، اس کے لیے کالم نگاری کا راستہ اختیار کیا۔ وہ مختلف اخباروں کے لیے بڑی پابندی سے کالم لکھا کرتے تھے اور اپنی بے باک رائے پیش کیا کرتے تھے۔ کالم نگاری آخری عمر تک جاری رہی۔

ابن انشاء نے 1960ء میں روزنامہ "مردوز" کراچی میں درویش دمشق کے نام سے کالم لکھنا شروع کیا۔ 1965ء میں روزنامہ "انجام" کراچی اور 1966ء میں روزنامہ جنگ سے وابستہ گی اختیار کی جو ان کی وفات تک جاری رہی۔ دو شعری مجموعے، چاند نگر اور اس بستی کے کوپے میں 1976ء شائع ہو چکے ہیں۔ 1960ء میں چینی نظموں کا منظوم اردو ترجمہ (چینی نظمیں) شائع ہوا۔

کیا جھگڑا سود خسارے کا

اقبال اور فلسفہ خودی

مصنف: اسد احمد



چیز اسکی ”روح“ ہے۔

در حقیقت نسان ”خاکی وجود“ کے تقاضے پورے کرنے میں دن رات مصروف ہے۔ وہ اس عمل میں اتنا لگن ہو جاتا ہے کہ وہ اپنا ”مصل وجود“ اپنی ”روح“ کو بھول جاتا ہے۔ وہ کھانے، پینے، معاشی سرگرمی، خاندان کے ضروریات پورے کرنے اور دیگر انسانی معاملات میں بہت آگے نکل جاتا ہے۔ یوں آہستہ آہستہ وہ مادہ پرست، دنیا پرست اور آخر کار شیطان کا کارکن بن جاتا ہے۔ وہ روح کے تقاضے پورے کرنا بھول جاتا ہے۔ وہ دنیا کی بھول بھلیوں میں اپنے خالق، اپنے رب کو فراموش کر دیتا ہے۔ وہ دن رات مادی وجود کی پرستش کرنے لگتا ہے۔ یہ ”نفس لہارہ“ کی کیفیت ہے اور بہت بڑی تباہی ہے۔

انسانی روح کیا ہے؟

انسان کی اصل حقیقت اسکی پاکیزہ روح ہے۔ انسانی روح کی وجہ سے اسے مسجود ملائک کا درجہ ملا ہے۔ روح کا تعلق مذہب اور رحمانیت سے ہے۔ یہی روح اسے دیگر حیوانوں سے الگ کرتی ہے۔ جسم کے مرنے سے روح نہیں مرتی۔ وہ واپس اپنے خالق کی پاس چلی جاتی ہے۔ اور تب انسان دنیاوی زندگی کا جواب دہ ہوتا ہے۔ محض جسم کے تقاضے پورے کرنے سے ”روح“ کو چین نہیں مل سکتا۔

اقبال کا فلسفہ خودی ڈارون کی زہریلی تھیوری آف بیومن ایولوشن کا تریق ہے:

ڈارون نے کہا تھا کہ انسان حیوان کی ترقیاتی شکل ہے۔ حیوان اور انسان ایک ہی چیز ہے۔ بس انسان نے ذرا ترقی کی اور موجودہ تہذیب تک پہنچا۔ اسکے مطابق انسان محض حیوانی جبلتوں کا حامل ہے۔ مان، بہن، بیٹی اور بیوی میں کوئی فرق نہیں۔ حیوان کی طرح انسان جس سے چاہے اور جب چاہے، جنسی اختلاط کر سکتا ہے۔ حیوانوں کی طرح انسانوں کا بھی کوئی مذہب نہیں ہونا چاہئے۔ گویا ”جانور“ انسان کا باوہ آدم ہے۔ چنانچہ ”ڈارون“ کے اس تباہ کن نظریے نے مذہب، ادب، اخلاقیات، شرف انسانیت کا جنازہ نکال دیا ہے۔

اقبال کا ”فلسفہ خودی“ ڈارون کے اس تھیوری کا توڑ ہے۔ اور اسکے زہریلے اثرات کا تریق بھی ہے۔ اقبال کی خودی کا فلسفہ انسان کو جانور سے بلند تر مخلوق بتاتا ہے۔ یہ ہمیں حیوانی طرز حیات سے بلند کر کے رحمانیت کا راستہ دکھاتا۔ انسان کے خاکی وجود سے مایوس بھی اسکی ایک عظیم ہستی ہے، جسے فنا نہیں۔ انسان کی زندگی کا اصل مقصد اللہ کی خوشنودی ہے۔

تو راز کن دکھ ہے، اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا

خودی کا راز داں ہو جا، خدا کا ترہاں ہو جا

خودی کی معنی: خودی کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ خودی محمود ہے، مقبول ہے، قابل قبول ہے، قابل ستائش ہے، اچھی چیز ہے۔ یہ ہر باطل سے استغناء اور بے نیاز ہے۔ اس میں

انسان اپنے اندر کی روشنی کو پہچاننے کی کوشش کرتا ہے، وہ اپنی اصلیت کی تلاش کرتا ہے۔ وہ نفس مطمئنہ سے بھی آگے کے سفر پر ریاقت کرتا ہے اور وہ اپنے روحانی تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور یوں اپنے مالک، اپنے رب تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ خودی انسان کی انا ہے، عزت ہے، غیرت ہے، اسکی اندر کی ”میں“ ہے، اسکی روح ہے۔ اور یہی اسکی اصل پہچان ہے۔ خاکی وجود کے علاوہ جو اسکی روح ہے اسکی پہچان اور عرفان انسان کا اصل مقصد حیات ہے۔ اسی عرفان کی وجہ سے بندہ اپنے رب کی رضا کے لئے دن رات لگ جاتا ہے۔ حیوانی خواہشوں کی پوجا کی بجائے انسان اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔

اسکا ایک دوسرا مطلب بھی ہے: کہ انسان جب نفس لہارہ کا پچھا ری بن جاتا ہے تو ایسے بندے کی خودی اسے حیوان کے برابر کر دیتی ہے۔ اس حالت میں انسان اپنے نفس کا غلام بن جاتا ہے۔ وہ اپنے اندر کی روشنی کو بھول کر اپنی دنیا پرستی اور ہوس پرستی کی وجہ سے خاکی وجود کی پرستش کرتا ہے۔ تب یہ خودی بری چیز ہے، قابل مذمت ہے اور خودی کی یہ کیفیت بہت مذموم ہے۔

اقبال خودی کو ان دو نوں مطالب میں استعمال کرتا ہے۔ وہ نفس لہارہ والی خودی کو ترک کرنے اور نفس مطمئنہ والی خودی کو اپنانے کی تلقین کرتا ہے۔ ”طلوع سر“ میں اقبال کہتا ہے:

خودی میں ڈوب جا غافل! یہ سر زندگانی ہے

نکل کر حلقہ شام و سحر سے جاو داں ہو جا

فلسفہ خودی کی اساس: علامہ اقبال کے فلسفہ خودی کا ماخذ قرآن حکیم کی ”سورۃ حشر آیت نمبر آٹھارہ“ ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم متعدد مرتبہ اپنے لیکچرز میں اس حقیقت کی گواہی دے چکے ہیں۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب انسان اپنے پیدا کرنے والے اور تخلیق کرنے والے رب کو بھلا دیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے انسان کو اپنا آپ بھلا دیتا ہے۔ اللہ نے انسان کو پیدا کیا تاکہ وہ اپنے من میں ڈوب کر اپنے رب کو تلاش کرے۔ وہ دیکھے کہ اسکی اصل حقیقت کیا ہے، ملائکہ سے اسکو سیدہ کروایا گیا ہے۔ وہ ایک بلند مخلوق ہے۔ وہ حیوان نہیں ہے بلکہ اللہ نے اسے اشرف المخلوقات بنا یا ہے۔ لہذا وہ اپنی پاکیزہ روح کو پہچانے۔ اپنے اندر جھانکے تو اسے معلوم ہوگا کہ اسکی زندگی کا کوئی عظیم مقصد ہے۔ اس مقصد کے حصول میں اپنی زندگی گزارے۔ لیکن اگر انسان ایسا کرنے کی بجائے اپنے خالق کو بھول بھال کر نفس لہارہ کا غلام بن جائے، شیطان کا پُجاری ری بن جائے اور دن رات اپنے خاکی وجود کی ضرورتیں پوری کرنے میں لگ جائے تو پھر اللہ تعالیٰ ایسے انسان کو اپنی رحمت اور ہدایت سے دور کر دیتا ہے، وہ مردود ہو جاتا ہے۔ جو انسان اپنے رب کا ناشکرہ بن جاتا ہے، اللہ سے بے خوف ہو جاتا ہے تو اسکا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اپنی اصلیت اور حقیقت کو بھی بھول جاتا ہے۔ پھر وہ نفس آمارہ اور نفس آوارہ

میسویں صدی میں اسلامی فکر کے احیاء و تجدید میں شاعر مشرق علامہ اقبال کا نام ایک روشن ترین مینار کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا بھر کی ادبی تاریخ میں بہت کم ایسی شخصیات ملتی ہیں جنہوں نے علامہ اقبال کی طرح ذہنوں پر اتنے گہرے اثرات مرتب کئے ہوں اور سیاسی و سماجی دھارے کا رخ موڑ دیا ہو۔ انکا خطبہ الہ آباد ہندوستانی مسلمانوں کی بیداری کی اساس بنا۔ علامہ اقبال نے پاکستان کا خواب دیکھا اور صاف صاف بتا دیا کہ ”خودی کی تلوار“ سے مسلمانان ہند کا ایک الگ آزاد اسلامی ملک وجود میں آنے والا ہے۔ اقبال کا ہی احسان ہے اور کارنامہ بھی کہ قائد اعظم کو اس جدوجہد کا رہبر بننے پر راضی کیا۔ علامہ انیس سو اڑتیس میں فوت ہوئے لیکن اسکے افکار سے پاکستان، انڈیا، ایران، ترکی، افغانستان اور مشرق کے ساتھ ساتھ مغرب بھی استغناء دہ کر رہا ہے۔ اقبال نے بالکل ٹھیک کہا تھا: کہ

ع اک ولولہ تازہ دیا میں نے دلوں کو

لاہور سے تا بہ خاک بخارا و سر قند

علامہ اقبال کی شاعری کا بنیادی مرکز ”فلسفہ خودی“ ہے۔ انھوں نے خودی کے فلسفے کو اس قدر شاندار اور بے مثال انداز میں پیش کیا ہے کہ اس پر غور و فکر کرنے اور پھر عمل کرنے سے نہ صرف فرد بلکہ اقوام بھی اپنی زندگیوں میں انقلابی تبدیلی لا سکتے ہیں۔ اور وہ شیطان کی بیرونی کی بجائے ایک اللہ کی بندگی کی طرف لوٹ سکتے ہیں۔

اب ہم اس پر تفصیل کے ساتھ بات کرتے ہیں۔

انسان کا وجود: انسان کا وجود دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔ ایک اسکا بدن ہے، اسکا ”خاکی وجود“ ہے اور دوسری

کہ اپنے بندے کی مرضی کے مطابق فیصلے کرنے لگے۔ جب انسان مقتدر بن جائے۔ اس مقام پر انسان اپنے تقدیر خود لکھوانے لگتا ہے۔ اللہ اسکی ہر مراد پوری کرتا ہے۔ ہر سفارش قبول کرتا ہے۔ اللہ رعالی اپنی خلائق اسکے تابع کر دیتا ہے۔ خودی کے اس آخری درجے پر بندہ اپنے خالق کی اس قدردانی کا حقدار بن جاتا ہے۔

علامہ اقبال نے اس مقام کی صحیح عکاسی کے لئے ہی وہ مشہور شعر کہا ہے:

خود کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اور

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اسکی زور بازو کا

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

حضرت علامہ اقبال کا ”فلسفہ خودی“ انکی شاعری کا نچوڑ ہے۔ یہ وہی فلسفہ ہے جسے برصغیر کے کمزور اور غلام مسلمانوں نے اپنا کر اپنے لئے ایک الگ آزاد وطن پاکستان حاصل کیا۔ اس فلسفے پر عمل پیرا ہو کر ہم آج بھی اپنی دنیاوی زندگی کا رخ موڑ سکتے ہیں تاکہ فانی انسان جو کہ اپنی اصلیت، اپنی روح کی تقاضوں کو بھول چکا ہے وہ ایک اللہ کی مرضی کے مطابق اپنی روح کی پرورش شروع کر سکے۔

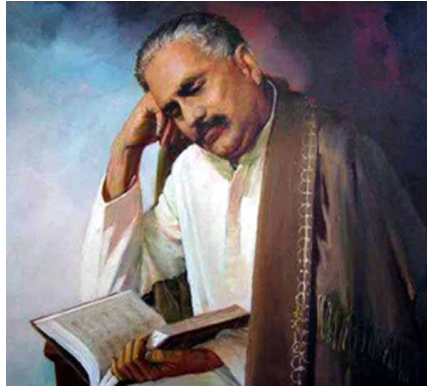
قرآن مجید کی سورۃ حشر میں اللہ نے جس نوع کے انسانوں کو نا پسند فرمایا ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم ایسے انسانوں کا راستہ چھوڑ دیں جنہوں نے رب کو ٹھکرا دیا ہے۔ وہ خسارے اور مکمل تباہی کا راستہ ہے۔ اقبال ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ فانی وجود کو اتنا وقت دو جتنا انسانی بدن نے اس دنیا میں رہنا ہے اور اپنی ”روح“ کی پاکیزگی کو اتنا وقت دیں جتنا اس نے وہاں اُس جہاں میں اپنے خالق کے پاس رہنا ہے۔

اقبال کا ”فلسفہ خودی“ اپنانے میں انسانیت کی فلاح ہے۔ اس میں شیطان کی غلامی سے نجات ہے۔ سچ یہ ہے کہ مادہ پرستی اور نفس آمادہ کا راستہ چھوڑ کر اقبال کے فلسفہ خودی کو اپنا کر اور سورۃ حشر کے مطابق ہم اپنے رب کی رضا کا راستہ اختیار کر سکتے ہیں۔

’اسرارِ خودی‘ میں اقبال کہتا ہے:

اے مسلمان! تُو خودی کو نہ چھوڑ اور خود کو اس طرح بنالے، جسکا انجام بقاء پر ہو۔

تیری چمک دمک خودی کی نور سے ہے۔ اگر تُو اپنی خودی کو مضبوط کر لے، تُو تجھے دوام حاصل ہو جائے۔



نفس لوامہ: انسان جب مادہ پرستی ترک کرتا ہے اور رب کی رضا کی طرف سفر شروع کرتا ہے۔ اپنے رب کی رضا کے لئے عبادات اور ریاضت شروع کرتا ہے۔ یہ کامیابی کا راستہ ہے۔ یہ وہ مقام ہے جب ایک مسلمان کو اپنی اصلیت کا احساس ہو جاتا ہے کہ اللہ نے اسے خاکی وجود کے ساتھ ساتھ اسکے اندر ایک نفیس روح بھی عطا فرمائی ہے۔ اس روح کی پہچان اور اسکے تقاضے پورے کرنا لازم ہے۔ رب نے اسے اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور یہ کہ مادہ پرستی اور خدا کی مرضی کے خلاف دنیا پرستی خسارے کا سودا ہے۔

نفس مطمئنہ: خودی اور خود آگاہی کے راستے پر سفر کرتے کرتے انسان اس مقام پر آجاتا ہے جب رب کی طرف سے نیک اور پاکیزہ خیالات آنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی ملتی ہے۔

نفس مطمئنہ: اس مقام پر انسان خدا کا مخاطب ہو جاتا ہے۔ وہ خدا کے قریب اور شیطان سے کافی دور چلا جاتا ہے۔ انسان کو اطمینان قلب نصیب ہو جاتا ہے۔ دنیاوی آسائشیں اور دلکشاں بے معنی ہو جاتی ہیں۔ وہ ہر حال میں اپنے رب کی رضا پر خوش رہتا ہے۔ کوئی شکوہ شکایت نہیں رہتی۔

نفس راضیہ: بندگی اور خودی کا سفر جب مزید آگے بڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ انسان سے راضی ہو جاتا ہے۔ بندہ اپنی بندگی کے اس مقام پر اپنے رب کو راضی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ایک مسلمان اپنی عبادات اور ریاضتوں سے اپنے محبوب رب کو خوش کر دیتا ہے۔ تب اللہ اپنے بندے فرماتا ہے کہ تو میرا سچا بندہ ہے۔ میں تیری بندگی سے راضی ہوں۔ اقبال کہتا ہے:

ع ہر لحظہ ہر مومن کی نئی شان نئی آن

گفتار میں کردار میں اللہ کی بُراں

نہ تاج و تخت میں ہے نہ لشکر و سپاہ میں ہے

جو بات مردِ قلندر کی نگاہ میں ہے

نفس مرضیہ: خودی اور کامل بندگی کی بلندی کا یہ آخری مقام ہے خدا تعالیٰ سب سے بڑا قدردان ہے۔ یہ وہ مقام ہے جب اللہ پاک اپنے بندے سے اتنا خوش ہو جائے

میں ڈوب جاتا ہے۔ یہ عظیم خسارہ ہے۔ یہ سب سے بڑی تباہی ہے۔ اقبال مسلمانوں کو کہتا ہے کہ:

ع بے خبر تو جو ہر آئینہ ایم ہے

تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے۔

وہ کہتا ہے کہ مسلمان اپنے آپکو، اپنے تن من کو نفس امارہ کی پیروی کرنے میں فقط چند دنیاوی اشیاء کے حصول میں نہ کھپائے۔ اگر وہ اپنے رب کا ناشکرا ہے تو پھر اللہ تو بے نیاز ہے۔ پھر خسارے میں تو انسان ہی رہے گا۔

لہذا اقبال نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کو اس خسارہ عظیم اور نفسانی آوارگی سے واپس روحانی زندگی میں لانے کا واحد نسخہ کیما ”فلسفہ خودی“ میں ہے۔ جب فلسفہ خودی سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف مراجعت کا سفر اختیار کر لیں گے تو دین و دنیا دونوں میں فلاح پالیں گے۔ انکے خیال میں مسلمانوں کی پس ماندگی، غلامی، جہالت اور دنیا پرستی کا علاج ”فلسفہ خودی“ میں پنہاں ہے۔

اقبال کہتا ہے:

ع دیر عشق میں اپنا مقام پیدا کر

نیا زمانہ نئی صبح و شام پیدا کر

میرا طریق امیری نہیں، فقیری ہے

خودی نہ بچ غریبی میں نام پیدا کر

خودی کے خواص:

اقبال کے شاہین کے جو صفات ہیں، وہی فلسفہ خودی کے خواص ہیں

بلند پرواز، تیز نگاہ، کسی اور کا مارا ہوا شکار نہ کھانا، خلوت پسندی۔ جب انسان نفیس ترین خودی کی منزل کی طرف اپنا سفر شروع کرتا ہے تو وہ ان صفات کا حامل ہوتا ہے۔ وہ فقر و عشق سے بھی معمور ہوتا ہے۔ تب وہ اپنی منزل کے اختتام پر مرد مومن اور مرد حق بن جاتا ہے۔ تب وہ خودی کے دیگر مدارج بھی طے کر کے اللہ کا صحیح کارکن اور قبول بندہ بن جاتا ہے۔

خودی کے بیٹھے پھل کا درخت آتا ہے۔

عشق کے بغیر کوئی انسان نفس امارہ سے بلند ہو کر نفس راضیہ کے مدارج طے نہیں کر سکتا۔ سچی بات یہ ہے کہ انسان نفس امارہ کے دلدل سے خاکی وجود کو نکال کر دخو دی محمود کی طرف کا روح پرور سفر، عشق کے بغیر نہیں کر سکتا۔

خودی کے مدارج:

نفس امارہ۔ نفس لوامہ۔ نفس مطمئنہ۔ نفس مرضیہ۔ نفس راضیہ۔

نفس امارہ: اسکا مطلب ہے، دنیا پرستی، مادہ پرستی اور شیطان پرستی۔ تکبر، غرور اور انکار حتیٰ کہ انسان کفر کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔

چینی کے بغیر چینی چائے کا لطف

مصنف: شیخ محمد عثمان فاروق

گی اور اگر فوری بعد پی تو بد ہضمی کا شکار ہو سکتے ہیں۔ ایک اور اہم بات جس کا چینی افراد بہت خیال رکھتے ہیں کہ چائے کے ساتھ کسی بھی قسم کی ادویات کا استعمال نہیں کریں گے ایسا نہیں کہ پاکستان میں ہم بخار یا سر درد کی گولی بھی اکثر چائے کے ساتھ ہی لیتے ہیں۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے ایک اور بات کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ دفاتر، گھر اور ہوٹل میں پی جانے والی چائے میں بھی فرق ہو گا مثلاً دفاتر میں زیادہ گرین ٹی یا سبز چائے استعمال کی جائے گی اس کی وجہ بتائی جاتی ہے کہ سبز چائے میں ایسے اجزاء پائے جاتے ہیں جو کمپیوٹر سے نکلنے والی شعاعوں سے انسانی جسم کو بچانے میں مفید ثابت ہوتے ہیں اور انسانی جسم میں سبز چائے نمی کی مقدار کو برقرار رکھنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

اگر چین میں چائے کی مختلف اقسام کے حوالے سے دیکھیں تو ان کو گرین ٹی، بلیک ٹی، ڈارک ٹی، اولانگ ٹی اور وائٹ ٹی میں تقسیم کیا گیا ہے اور چائے کی ہر قسم کے ساتھ کچھ کہاو تیں یا کچھ روایات منسوب ہیں۔ مثلاً گرین ٹی کو سادگی سے منسوب کیا جاتا ہے اور عام طور پر جنوبی چین میں رہنے والے باشندوں کے حوالے سے کہا جاتا ہے وہ اس کو زیادہ استعمال کرتے ہیں، بلیک ٹی کو ایسے افراد سے منسوب کیا جاتا ہے جو نرم دل اور شرمیلے ہوتے ہیں، اولانگ ٹی کو ملنسار اور عام طور پر فلسفیانہ مزاج رکھنے والے افراد کی پسند قرار دیا جاتا ہے اسی طرح ڈارک ٹی کو بزرگ دانا افراد کی پسند میں شمار کیا جاتا ہے۔ ایک اور بات نہایت اہم ہے کہ پورے چین میں چینی کے بغیر چائے پینے کا رواج ہے کیونکہ چین کے لوگ چینی کے زیادہ استعمال کو صحت کے لیے انتہائی نقصان دہ قرار دیتے ہیں اور موٹاپے کی بڑی وجہ بھی چینی کے زیادہ استعمال کو قرار دیتے ہیں۔

اگر معاشی اعتبار سے دیکھیں تو چین میں چائے کی صنعت ملک کی معاشی ترقی میں بھی ایک کلیدی کردار ادا کر رہی ہے اور چین کا شمار دنیا کے ان بڑے ممالک میں ہوتا ہے جو دنیا کے دیگر ممالک کو چائے کی برآمد میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ چین کی حکومت بھی اس صنعت کی ترقی کے حوالے سے اقدامات کرتی رہتی ہے اور یہ کوشش کی جاتی ہے جہاں ملکی ضروریات کو پورا کیا جا سکے وہاں بیرونی ممالک میں بھی معیاری چائے برآمد کی جا سکے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر ملک کے مختلف حصوں میں چائے کی صنعت کی ترقی اور ملک میں ٹی کلچر کے فروغ کے لیے بھی مختلف سیمینارز، کانفرنسز اور دیگر تقاریب کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ سو جب بھی چین آئیں چینی چائے سے ضرور لطف اٹھائیں لیکن وہ بھی بغیر چینی کے۔

§§§

چینی ثقافت میں چائے کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے اگرچہ پاکستان میں پی جانے والی چائے سے چینی چائے قدرے مختلف ہے لیکن چائے سے منسلک کچھ روایات، چائے سے جڑے کچھ لوازمات اور لوگوں کی پسندیدگی کے مختلف معیارات چینی چائے کو ایک خاص رنگ دیتے ہیں۔ چینی معاشرے میں اگر چائے کی تاریخ کا جائزہ لیں تو ہمیں پانچ ہزار سال پیچھے جانا پڑے گا۔ بتایا جاتا ہے کہ ایک چینی بادشاہ شین لونگ نے اپنے دور حکومت میں جہاں دیگر فرمان جاری کیے ان میں ایک حکم یہ بھی تھا کہ صحت مند اور توانا رہنے کے لیے پینے کے پانی کو استعمال سے قبل ضرور ابالا جائے۔ گرمیوں کی ایک دوپہر اپنی سلطنت کے ایک دور دراز علاقے کے دورے کے دوران بادشاہ اور ان کے درباری ایک مقام پر سستانے کی غرض سے رکے اور بادشاہ سلامت کے لیے پانی ابالا جا رہا تھا کہ اسی دوران نزدیکی جھاڑی سے کچھ پتیاں اٹلتے پانی میں آگری اور پانی کا رنگ فوری تبدیل ہو گیا۔ اب بادشاہ کے دل میں پانی کے اس نئے ڈانکے کو چکھنے کی خواہش نے جنم لیا، جب انہوں نے پتیوں ملا رنگ دار پانی پیا تو ڈانکے دہری لگا سو یہیں سے چائے کا آغاز ہوتا ہے اور یہ دور تھا 2337 قبل مسیح۔ اس وقت سے لیکر آج تک چین میں چائے کو مختلف تقاریب میں نمایاں اہمیت حاصل ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ چائے کا راج ہے تو بے جا نہ ہو گا۔

اگر چینی معاشرے میں چائے کے استعمال کی بات کی جائے تو اس میں بھی آپ کو مختلف رنگ ملیں گے۔ کچھ لوگ چائے کو پیاس بھجانے اور پانی کے نعم البدل کے طور پر استعمال کرتے ہیں تو کچھ کے نزدیک چائے پینے سے ان کی تخلیقی صلاحیتیں کھل کر سامنے آتی ہیں۔ بعض افراد تو فطری ماحول سے محبت، موسیقی میں دلچسپی اور باہمی روابط استوار کرنے میں بھی چائے کے معترف نظر آتے ہیں۔ مزید دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ چین میں معیاری چائے کے بھی پیمانے وضع کیے گئے ہیں ایسا ہر گز نہیں کہ جس طرح پاکستان میں اکثر کہا جاتا ہے کہ بس چائے ہوئی چاہیے چاہے کسی ٹرک ہوٹل کی ہو یا کسی فائیو اسٹار ہوٹل، یہ الگ بات ہے کہ پاکستان میں لوگوں کی اکثریت ٹرک ہوٹل کی چائے کو کسی بھی بڑے ہوٹل کی چائے سے بہتر قرار دیتی ہے، پتیانوں کی بات ہو رہی تھی تو چین میں چائے کو جن خصوصیات کی بناء پر پرکھا جاتا ہے اس میں پہلی خاصیت چائے کی رنگت، دوسری چائے کی خوشبو، تیسری خاصیت چائے کا ذائقہ ہے لیکن جناب بات یہیں ختم نہیں ہوتی مزید دو چیزیں اور بھی شامل ہیں جو پاکستان سمیت دیگر دنیا سے قدرے مختلف ہیں پہلی چیز پانی کا معیار مطلب یہ کہ پانی کون سا استعمال کیا گیا ہے اور آخری چیز چائے سیٹ، مطلب چائے پیش کرنے کے لیے کس قسم کے برتن استعمال کیے گئے ہیں۔ مختصراً یہی کہ برتن بھنا معیاری اور اچھا ہو گا اتنی ہی چائے کے لیے پسندیدگی بڑھے گی، ویسے معیاری کو آپ مٹکے برتن سے بھی تعبیر کریں تو کوئی حرج نہیں۔

اب چائے تو پیش کر دی گئی اگلا مرحلہ پینے کا ہے تو جناب چین میں چائے پینے کے بھی کچھ اصول ہیں مثلاً چائے آپ نے گرم گرم ہی ختم کرنی ہے ایسا نہیں کہ ساتھ ساتھ دفتر کا کام بھی جاری ہے اور چائے بے ٹک ٹھنڈی ہو جائے، اس حوالے سے کہا جاتا ہے کہ چائے میں موجود مفید اجزاء سے لطف اندوز صرف گرم چائے سے ہی ہوا جا سکتا ہے۔ ایک اصول یہ بھی ہے کہ زیادہ سخت یا اگر پاکستانی لفظ استعمال کریں تو زیادہ کڑک چائے نہیں پینی ہے بقول چینی افراد کے کہ زیادہ کڑک چائے انسانی معدے کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس کا معیار یہ طے کیا گیا ہے کہ پورے دن میں آپ بارہ سے پندرہ گرام کے درمیان چائے کی پتیاں استعمال کریں گے۔ چائے پینے کے لیے بہترین اوقات کا تعین بھی کیا گیا ہے ایسا نہیں ہے کہ جب جی چاہا چائے پی لی، چینی افراد کھانے سے کچھ دیر قبل یا فوری بعد چائے نہیں پیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کھانے سے پہلے چائے پی لی تو بھوک ختم ہو جائے

